

ہو کر مسلمانوں سے لڑا کا پھر تماز ہو، اُس کو جیادہ میں قتل نہیں کیا جاتا، اگرچہ اس کی کافراۃ عبارت آخرت میں اس کے کام نہ آئے گی، اسی طرح اشک طرف کی ذمہ میں یہ بھی آٹھی کہ دہ کتابی بالغ یا محورت ہو، اکثر شریعت اسلام کی رو سے ان کو بھی جیادہ میں قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے، اور آدمیوں کی طرف کے ذریعہ سے مراد معابرہ اور صلح ہے، جو مسلمانوں کے ساتھ ہو جائے کیونکہ شریعت اسلام میں جس شخص سے کوئی معابرہ صالح کا ہو جائے وہ بھی اموں ہے اس کا قتل جائز نہیں (ادرستخن ہوتے یہ لوگ غضبِ الہی کے، اور جادی گئی ان پر پیش کرائے طبائع میں بھی اولوں العزمی نہیں ایز جزیرہ و خراج مسلمانوں کو ادا کر کے رہنا بھی مکانت اور یقینی میں داخل ہے یہ (ذلت و غضب)، اس وجہ سے ہو اکہ وہ لوگ منکر ہو جاتے تھے، حکیم الہی سے، اور قتل کر دیا کرتے تھے پیغمبروں کو (اس طرح سے کہ وہ قتل خودان کے نزدیک بھی اناحی (ہر تا تھا) اور یہ ذلت و غضب اس وجہ سے بھی ہو اکہ انہوں نے اطاعت نہ کی، اور دائرۃ اطاعت سے بخل نہ کل جاتے تھے۔

معارف مسائل

یہ در پر ذلت و غضب کا مطلب یہ بحث سورة بقرہ کی آیت (۶۱)، میں تفصیل سے گذر جی ہے موجودہ اسرائیل حکومت کے شہاد رجواب جس میں کوئی استثناء نہیں ہے، آیت آل عمران میں الا بِخَبْلِ مِنْ أَنَّهُ وَحْدَهُ مِنَ النَّاسِ کے استثناء کی تحقیق وہاں گزر جی ہے، اس تو معاشر القرآن جلد اول، صفحہ ۹۰، ۱۸۱ میں دیکھ لیا جاتے، اتنی بات یہاں مکر قابض کر ہے کہ کشان کی تفسیر کے مطابق استثناء کو متصل دستار دے کر معنی آیت کے یہ ہیں کہ یہ در پر ذلت و خواری ملی ہی رہے گی، مگر صرف دو صورتوں میں وہ اس ذلت سے بچ سکتے ہیں، ایک اشہ کا عدم مثل نہ بالغ بچہ یا محورت ہونے کی بنا پر جو کم خداوندی وہ قتل وغیرہ سے مامون ہیں، دوسرا پر بخبلِ مِنْ أَنَّهُ وَحْدَهُ مِنَ النَّاسِ، یعنی لوگوں سے معابرہ صالح کی بنا پر ایمان کی ذلت و خواری کا ظور نہ ہو، اس جگہ الفاظ فتر آن بخبلِ مِنْ أَنَّهُ وَحْدَهُ مِنَ النَّاسِ میں جو مومن و کافر سب کو شامل ہیں، اس میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں سے معابرہ صالح کر کے نکر ہو جائیں اور یہ بھی محتمل ہے کہ دوسری غیر مسلم طائفوں سے معابرہ صالح کر کے محفوظ ہو جائیں، جیسا کہ حکومت اسرائیل کی موجودہ صورت ہے، کہ کسی صاحب بصیرت پر مخفی نہیں کہ اسرائیل کی حکومت در حقیقت اہل یورپ کی ایک مشترک چھاؤں سے زیادہ نہیں، اس کی جو کچھ قوت نظر آتی ہے وہ سب غیروں کے بیل بوتہ پر ہے۔

اگر امریکہ برطانیہ، روس وغیرہ آج اس پرے اپنا ہستہ اہم تریں تو وہ ایک دن اپنار جزو فاقہ نہیں رکھ سکتا، واللہ اعلم۔

لَيَسْوَ إِلَّا سَوْءَ ظَرْفٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أَمَّةٌ قَاتَلَهُمْ يَتَّمَلُونَ

وہ سب برابر نہیں اہل کتاب میں ایک فرقہ ہے میڈی کی راہ پر پڑھتے ہیں

أَيْتِ اللَّهُ أَنَّا نَأْمَلُ الْيَلِ وَهُمْ لَيَسْتَجِدُونَ

آیتیں اللہ کی راول کے وقت اور وہ سجرے کرتے ہیں ایمان لاتے ہیں اللہ پر

وَالْيَوْمَ الْآخِرُ وَيَا مُرْوَنَ بِالْمُعْرُوفِ وَيَنْهَا عَنِ الْمُنْكَرِ

اور قیامت کے دن پر اور حکم کرتے ہیں اچھی بات کا اور منع کرتے ہیں بُرے کاموں سے

وَلَيَسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَلَيَنْهَا عَنِ الصَّلَاحِينَ

اور دوڑنے ہیں نیک کاموں پر اور وہی لوگ نیک بخت ہیں،

وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ حَيْثُ قَدْنَ يَكْفُرُ وَلَا طَوَّلَ اللَّهُ عِلْمَ بِالْمُتَّقِينَ

اور جو کچھ کریں گے وہ لوگ نیک کام کی ہر گز نافرمانی نہ ہوگی اور اللہ کو خبر ہے پر ہر گزاروں کی

إِنَّ الَّذِينَ يُنَكِّرُونَ كُفَّارًا لَعْنَهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ

وہ لوگ جو کافر ہیں ہر گز کام نہ آؤں عکس کاوان کے مال اور نہ اولاد

مِنَ الَّذِي شَيْءَ أَطْوَلَ وَلَيَنْهَا صَحْبُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَلِدُونَ

اٹھ کے آئے کچھ اور وہی لوگ رہنے والے ہیں آج میں دونوں کی وہ اس آج میں ہبہ شریروں میں

مَثَلُ مَا يَنْفِعُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الْأُولَى نَيْأَا كَمَثَلُ مَا يَرْجُونَ فِي سَابِقِ

جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس دنیا کی زندگی میں اس کی مثال جیسے ایک ہر وا کر اس میں تو

صَرَّ أَصَابَتْ حَرُوفَ قُوَّةٍ هُمْ كَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَأَهْلَكَهُمْ

پالا، جانشی نہیں کو اس قوم کی کامیابی نے اپنے حق میں مگر اکیا تھا پھر اس کو نابود کر گئی

وَمَا أَنْظَلَهُمْ هُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ

اور اللہ نے اک پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے اور پر ظلم کرتے ہیں۔

رَبِّ آیات اور اہل کتاب کے متعلق بیان ہوا تھا کہ ان میں کچھ لوگ مسلمان بھی ہیں، اور زیادہ کافر ہیں، اسی نہیں کی مزید تفصیل ان آیات میں ہے:-

خلاصہ تفسیر

یہ اہل کتاب سب برابر نہیں (بلکہ) انہیں اہل کتاب میں ایک جماعت وہ بھی ہے جو دین حق پر قائم ہے (اور اللہ کی آیتیں ریعنی قرآن)، اور قاتب شب میں پڑھتے ہیں اور وہ نماز بھی پڑھتے ہیں (اور اللہ پر اور قیامت دا لئے دن پر رپورا پورا، ایمان رکھتے ہیں اور (دوسروں کو) نیک کام ہلاتے ہیں اور مجرمی ہاتھ سے روکتے ہیں، اور نیک کاموں میں رواج ہے اور یہ لوگ (اللہ کے نزدیک اشائستہ لوگوں میں دشمن کرنے جاتے ہیں، اور یہ لوگ جو نیک کام کریں گے اس رکے ثواب سے مودوم طریقے جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو خوبی بانتے ہیں، (اور یہ لوگ چونکہ اہل تقویٰ ہیں تو حب و عدہ جزا کے متعلق ہیں، بیٹک جو لوگ کافر ہے ہرگز ان کے کام نہ آؤں گے ان کے مال اور نہ اولاد اللہ تعالیٰ کے (عذاب کے) مقابلہ میں ذرا بھی اور وہ لوگ دوزخ ولے ہیں (اور) وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے (اور کبھی نجات نہ ہوگی، وہ (کفار) جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس رہنمایی زندگانی میں اس کی حالت دیربار و ضائع ہونے میں، اس حالت کے مثل ہے کہ ایک ہوا ہو جس میں تیز سر دی ریعنی پالا، ہو را در) وہ لگ جاوے ایسے لوگوں کی بھیتی کو جھوٹ نے (بد رینی سے، اپنا تقصیان کر رکھا ہو پس وہ (ہوا، اس (بھیتی)، کو بر باد کر دلے راسی طرح ان لوگوں کا خرچ کرنا آخرت میں سب ضائع ہے، اور راس شائع کرنے میں) اللہ تعالیٰ ان پر (کوئی) ظلم نہیں کیا، لیکن وہ خود (کفر کے انتکاب سے) ہو کر مانع قبول ہے، اپنے آپ کو ضرر ہی پہنچا رہے ہے نہ دہ کفر کرتے ذان کے سب نعمات ضائع ہوتے)

يَا أَيُّهُمَا الَّذِينَ أَهْمَلُوا الْأَنْتِيجَذُ وَالْأَطَانَةَ مِنْ دُونِ كُسْمَ لَهُ
لے ایمان والوں نے (لوگوں کے) سوا (اور مذہب والوں میں سے) کسی کو (محبت کرنے کرتے ذان کے سب نعمات ضائع ہوتے)
يَا أَلْوَنَكُمْ خَبَالَكُدُّ وَدَدَ وَأَمَا عَنْكُمْ قُلْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ
لے ایمان والوں نہ بناؤ بھیڑی کسی کو اپنوں کے سوا وہ کمی
مِنْ أَفَوَاهِهِمْ وَمَآتِهِمْ حُنْقَبُ وَرُهْمُ آكِبِرَطَ قُلْ بَلَى
ان کی زبان سے اور جو کچھ بخیل ہے ان کے جی میں وہ اس سے بہت زیادہ ہے، ہم نے بتائی
كُمْ الْأَيْتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ۝ هَآئُنْثُمُ الْأَعْمَجُونَ هُمْ
مگر وہ تو باوجود اس تھا لے ایمان کے بھی تم سے محبت نہیں رکھتے اور تم باوجود ان کے

وَلَا يَعْبُدُونَكُمْ وَلَوْمَنُونَ بَاكِتُ كُلَّهُ وَلَذَ الْقُرُبُ كُمْ قَالُوا
اور وہ تھا لے وہ راست نہیں اور تم سب کتابوں کو مانتے ہو اور جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں
إِمَّا سَاجِدُوا وَلَذَ الْأَخْلَوْا عَصْوَا عَلَيْكُمُ الْأَنَاءِ مِنَ الْغَيْظِ لِفَلْ
ام مسلمان ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو کاش کاٹ تھا لے یہیں تم پر انگلیاں غصہ سے تو کہہ
مُوْلُوْا بِغَيْظِ كُمْ طِ إِنَّ اللَّهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصَّدْرِ فِرْس١۴۹
روزتم اپنے غصہ میں اللہ کو خوب معلوم ہیں دوں کی بائیں،
إِنْ تَمَسَّكُمْ حَسَنَةٍ تُسْوِهُمْ زَوْلَنَ تَصِّبُكُمْ سَيْعَةً
اگر تم کو ملے کچھ بھلانی تو بڑی لگتے ہے ان کو اور اگر تم پر پہنچ کر لے بڑا تو
يَقْرَبُ حَوْلَهِ سَاطِرَ وَإِنْ تَصِّبُرُ وَإِنْ تَمْقُو الْأَيْضُرُ كُمْ كِيلَهُمْ
خش ہوں اس سے اور اگر تم صبر کر دے اور بچتے رہو تو کچھ نہ بھجوئے گا تمہارا ان کے
شَيْعَاتِ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ
زبیبے بیٹک جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کے بس میں ہے

خلاصہ تفسیر

لے ایمان والوں نے (لوگوں کے) سوا (اور مذہب والوں میں سے) کسی کو (محبت کرنے کرتے ذان کے سب نعمات ضائع ہوتے) اسے اپنے، صاحب خصوصیت مدت بناؤ (کیونکہ) وہ لوگ تھا لے ساتھ فساد کرنے میں کفر کرتے ذان کے سب نعمات ضائع ہوتے
کوئی رفیقہ اٹھا نہیں رکھتے را در دل سے ہیں، تمہاری مصحت (دنیوی دینی) کی تھیتا رکھتے ہیں، ردیوں میں تمہاری طرف سے اس قدر بعض بھرا ہے کہ (واقعی وہ) بعض ربعض اوقات، ان کے مئر سے (بے خستی) ایسا چیز میں (ظاہر ہو) پڑتا ہے، اور جس قدر ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت کچھ ہے (چنانچہ) ہم (ان کی عداوت کے) علامات (اور قرآن) تمہارے ساتھ ظاہر کرچے اگر تم عقل رکھتے ہو (تو ان یقینی علامات سے دیکھو) ہاں (بمحض) تم ایسے ہوان لوگوں سے محبت رکھتا رہتا، رکھتے ہو، اور یہ لوگ تم سے اصلًا محبت نہیں رکھتے (زندل سے زبرتاو سے) حالانکہ تم تمام رسمانی (کتابوں پر ایمان رکھتے ہو) اس میں ان کی کتنی بھی شامل نہیں اور وہ تمہاری کتاب یعنی قرآن پر ایمان نہیں رکھتے مگر وہ تو باوجود اس تھا لے ایمان کے بھی تم سے محبت نہیں رکھتے اور تم باوجود ان کے

اس عدیم ایمان کے بھی ان سے محبت رکھتے ہو، اور تم ان کے ظاہری دعویٰ ایمان سے شہ میں کرنا کر دہ بھی تو ہماری کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، کیونکہ ایہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں (صرف بخالے کو منافقانہ طور پر) کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، اور جب (تم سے) اللہ ہوتے ہیں تو تم پر اپنی احکامیں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں مارے غیظ (غصب) کے (یہ کنایہ ہے شدت غصبہ) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ تم مرد ہو اپنے غصہ میں (مراد یہ کہ اگر تم مجبی جاؤ گے تب بھی تمھاری مراد پوری نہ ہوگی) بیشک خدا تعالیٰ خوب جانتے ہیں دلوں کی باول کو (اسی لئے ان لوگوں کے دلوں میں جور بخ و غبار اور دادت تمھاری طرف سے بھری ہیں سب بتلادی اور ان کا یہ حال ہے کہ اگر تم کو کوئی اچھی حالت پہنچانی پڑے (مشلامت میں باہم اتفاق ہو، غیروں پر غلبہ ہو جائے تو ان کے لئے وجہ بخ ہوئی ہے، (جس کا سبب اشد درجہ کا حسد ہے) اور اگر تم کو کوئی ناگوار عالم پہنچانی ہے تو اسے (بڑے) خوش ہوتے ہیں (جس سے ان کی شافت ثابت ہے سوان کے جب یہ حالات میں تو وہ اس قابل کب میں کران سے دوستی یاد دستی کا برداشت کیا جاوے، ان کے ذکر وہ حالات سننے کے بعد دلوں میں یہ خیال پیدا ہو؛ بعد نہیں تھا کہ یہ لوگ مسلمانوں کو ضرر بہنچانے میں کوئی کسر نہیں رکھیں گے، اس لئے اگلی آیت میں مسلمانوں کی تسلی کے لئے فرمایا) اور اگر تم استقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو ان لوگوں کی تدبیر تم کو ذرا بھی مسخر نہ پہنچائے گی (تم اس سے بے فکر ہو تو دنیا میں تو ان کو یہ ناکامی نصیب ہوگی اور آخرت میں مزاجے دوزخ ہوگی کیونکہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پر (علمی، احاطتی) رکھتے ہیں (کوئی عمل ہم سے مخفی نہیں اس لئے وہاں مزاجے بچنے کے لئے کسی حیلہ والے کی عنایت نہیں)

معارف و مسائل

شان نزول اس آیت کا یہ ہے کہ مدینہ کے اطراف میں جو یہودی آباد تھے ان کے ساتھ اُس اور خریج کے لوگوں کی قدیم زمانہ سے دوستی چل آئی تھی، انفرادی طور پر بھی ان قتبیلوں کے افراد سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے، اور قبائل جنیثت سے بھی یہ اور یہود ایک دوسرے کے ہمایہ اور حلیفت تھے، جب اُس اور خریج کے قبیلے مسلمان ہو گئے تو اس کے بعد بھی وہ یہودیوں کے ساتھ پڑائے تعلقات نہ ملائے رہے اور ان کے افراد اپنے سابق یہودی دوستوں سے اسی محنت و خلوص کے ساتھ ملے رہے

لیکن یہودیوں کو حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے لائے ہوئے دین سے جو عادات صحی اس کی بناء پر وہ کہی ایسے شخص سے ملصاہ محبت رکھنے کے لئے تیار نہ تھے جو اس دعوت کو قبول کر کے مسلمان ہو گیا ہو، انہوں نے انصار کے ساتھ ظاہری میں تو وہی تعلقات رکھے جو پہلے سے چلے آرہے تھے، مگر دل میں اب وہ ان کے دشمن ہو چکے تھے، اور اسی ظاہری دوستی سے ناجائز نامہ اٹھا کر ہر وقت اس کو مشش میں لگے رہتے تھے کہ کبی طرح مسلمانوں کی جماعت میں اندر دینی فتنہ و فساد برپا کر دیں، اور ان کے جماعتی راز معلوم کر کے ان کے دشمنوں تک پہنچائیں، اللہ تعالیٰ یہاں ان کی اس منافقانہ روشنی سے بھری ہیں سب بتلادی اور ان کا یہ حال ہے کہ اگر تم کو کوئی اچھی حالت پہنچانی پڑے (مشلامت میں باہم اتفاق ہو، غیروں پر غلبہ ہو جائے تو ان کے لئے وجہ بخ ہوئی ہے،

یا یہاں الگ نینِ امتوں الائِتَّخِذُونَ دُوْلَطَانَةً مِنْ دُوْلَتِكُمْ، یعنی اسے ایمان والوں اپنے (یعنی مسلمانوں کے) علاوہ کہی کو گھبرا اور رازدار دوست نہ بناؤ، بطانتہ کے معنی میں تو وہ اس قابل کب میں کران سے دوستی یاد دستی کا برداشت کیا جاوے، ان کے ذکر وہ حالات میں کہ بعد دلوں میں یہ خیال پیدا ہو؛ بعد نہیں تھا کہ یہ لوگ مسلمانوں کو ضرر بہنچانے میں کوئی کسر نہیں رکھیں گے، اس لئے اگلی آیت میں مسلمانوں کی تسلی کے لئے فرمایا) اور اگر تم استقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو ان لوگوں کی تدبیر تم کو ذرا بھی مسخر نہ پہنچائے گی (تم اس سے بے فکر ہو تو دنیا میں تو ان کو یہ ناکامی نصیب ہوگی اور آخرت میں مزاجے دوزخ ہوگی کیونکہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پر (علمی، احاطتی) رکھتے ہیں (کوئی عمل ہم سے مخفی نہیں اس لئے وہاں مزاجے بچنے کے لئے کسی حیلہ والے کی عنایت نہیں)

اسلام نے اپنی عالمگیر رحمت کے سامنے میں جہاں مسلمانوں کو غیر مسلموں میں ساتھ ہمدردی، پیغامبر ایسے نفع رسائی اور مردمت و رہاداری کی فیض معمولی ہے۔ ایامت فرمائی اور نہ صرف زبانی ہدایات بلکہ برسوں کی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام معاشرات میں اس کو عمل طور پر روانہ دیا ہے وہیں عین حکمت کے طبق مسلمانوں کی اپنی تنظیم اور ان کے خصوصی شعائر کی حفاظات کے لئے یہ احکام بھی صادر فرمائے کرتا تھا۔ اسلام کے منکروں اور با غیر مسلمین سے تعلقات ایک خاص حد سے آگے بڑھانے کی اجازت سماں کو نہیں دی جاسکتی۔ کہ اس سے فرد اور ملت دنوں کے لئے ضرر اور خطرے کھلے ہوئے ہیں اور یہ ایسا صریح، معقول، مناسب اور ضروری انتظام ہے جس سے فرد اور ملت دنوں کی حفاظات ہوتی ہے، جو غیر مسلم اسلامی ملکت کے باشندے ہیں، یا مسلمانوں سے کوئی معاهدہ کئے ہوئے ہیں، ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور انکی حفاظت کے لئے اہتمائی تائیدات اسلامی قانون کا جزو ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ أَذْنَى ذِرْيَا فَإِنَّا لَهُ مَحْصُولٌ وَ
مَنْ كُنْتَ مُحْصِمًا فَهُوَ مَحْصُمٌ
يَوْمَ الْقِيَمَةِ
رَعْنَى (بن مسعود)

مَنْ ظَلَمَ رَبِّيْنَ أَنْ أَظْلَمَ مُعَااهِدًا
مَنْ ظَلَمَ رَبِّيْنَ أَنْ أَظْلَمَ مُعَااهِدًا
مَنْ ظَلَمَ رَبِّيْنَ أَنْ أَظْلَمَ مُعَااهِدًا
أَيْكَ دوسری حدیث میں فرمایا،
مُجَرَّدِيْنَ رَبِّيْنَ أَنْ أَظْلَمَ مُعَااهِدًا
مُجَرَّدِيْنَ رَبِّيْنَ أَنْ أَظْلَمَ مُعَااهِدًا
مُجَرَّدِيْنَ رَبِّيْنَ أَنْ أَظْلَمَ مُعَااهِدًا
ایک اور حدیث میں فرمایا،

الآمِنُ ظَلَمَ مُعَااهِدًا وَأَنْسَفَهُ
أَذْكَلَفَهُ قُوْنَ طَافِتَهُ أَذْأَخْذَهُ
شَيْشَتَ بِغَيْرِ طَبِيبٍ نَفَسِيْنَ قَنَهُ قَنَاهُ
بِحَيْنَجَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
تجبردار جو کبی غیر مسلم معاهد پر ظلم کرے، یا
اس کے حق میں کی کرے یا اس پر اس کی کتابت
سے زیادہ بوجھ ڈالے، یا اس سے کوئی جیز
بین اس کی دل رسانندی کے حصل کرے
وقیامت کے روز میں اس کا وکیل برسوں کا

یکن ان تمام مذاہات کے ساتھ مسلمانوں کی اپنی جماعت اور ملت کی حفاظات کے لئے یہ ہدایات بھی دی گئیں کہ اسلام اور مسلمانوں کے وشتوں کو اپنا ہمدرد و سست اور ازاد اور معنودہ بنایا جائے۔

ابن ابی حاتمؓ نے نقل کیا ہے کہ فاروق عظیم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہتا ہے کہ مسلمانوں کو ایک غیر مسلم رہا کا ہے جو بڑا اچھا کا تب ہے، اگر اس کو آپ اپنا میراثی بنالیں تو ہبہ تھے تو اس پر فاروق عظیم رہنے فرمایا،

قَدْ أَنْجَنْتُ إِذَا بِطَائِةً مِنْ
دُونِ الْمُؤْمِنِينَ.

امام فاطمی جو پانچویں صدی کے مشہور عالم اور مفسر ہیں بڑی حضرت اور درد کے ساتھ مسلمانوں میں اس تعلیم کی خلاف درزی اور اس کے نتائج پر کا بیان اس طرح فرماتے ہیں میں "یعنی اس زمانہ میں حالات میں ایسا انقلاب
وَقَدْ أَنْقَبَتِ الْأَخْوَالُ فِي هَذِهِ
الْأَنْمَانِ بِإِتْعَادِ أَهْلِ الْكِتَابِ
كَتَبَةَ رَأْمَانَةَ وَقَسَوَدَ رَأْبَنَ لَلَّهِ
عِنْ جَهَلَةَ الْأَغْنِيَاءِ مِنَ الْوَلَادَةِ
وَالْأَمْرَاءِ

آج بھی کبھی ایسی ملکت میں جس کا قیام کسی خاص نظریہ پر ہو دہاں اس نئی روشنی کے زمانے میں بھی کبھی کبھی ایسے شخص کو جو اس نظریہ کو قبول نہیں کرتا، مشیر اور معتمد نہیں بنایا جاسکتا، روس اور چین میں کبھی ایسے شخص کو جو کیونزم پرایا جان نہیں رکھتا ہو، کبھی ذمہ دار ہمہ پر فائز نہیں کیا جاتا، اور اس کو ملکت کارازدار اور مشیر نہیں بنایا جاتا، اسلامی ملکتوں کے زوال کی داستانیں پڑھئے تو زوال کے دوسرے اسباب کے ساتھ بکثرت یہ بھی ملی گا کہ مسلمانوں نے اپنے امور کارازدار و معمد غیر مسلموں کو بنایا تھا، سلطنت عثمانی کے زوال میں بھی اس کو کافی دخل تھا۔

آیتہ نہ کوہہ میں اس حکم کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے لایا نُوْ فَكُمْ وَجْهًا لَا إِلَيْهِ يُعْنِي رَهْ
وَكُمْ تَحْمِيلُنَّ وَبَالِ دُنْسَادِ مِنْ سَبْلَا کرئے میں کوئی وقیعہ اٹھا نہیں رکھتے، اور تمہارے دکھ پہنچنے کی آرزو رکھتے ہیں، بعض تو ان کی زبانوں سے ظاہر ہو چکے ہیں، اور جو کچھ وہ اپنے دل میں چھا سے ہوئے ہیں وہ اور بھی بڑھ کر ہے، ہم تو تمہارے لئے نشانیاں کھوں کر ظاہر کر کر بچکے ہیں، اگر تم عقل سے کام لینے والے ہو۔

مطلوب یہ ہے کہ مسلمانوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ مسلمان اپنے اسلامی بھائیوں کے سوا کسی کو بھیدی اور مشیر نہ بنائیں ایکون کہ یہود ہوں یا نصاری، منافقین ہوں یا مشرکین،

کوئی جماعت تمہاری حقیقی خیرخواہ نہیں ہو سکتی بلکہ ہمید شہر یوگ اس کو رشش میں لے گئے رہتے ہیں کہ تمہیں یہ قوت بننا کرنے قصان پہنچا ہے اور دینی ردنیوی خرابیوں میں مستلا کریں، انکی آزادی ہے کہ تم تکلیف میں رہنا اور کسی نہ کسی تدبیر سے تم کو دینی یاد نیوی ضرر سہو پڑے جو شمنی یا ضرر ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت ہی زیادہ ہے، لیکن بسا اوقات عداوت غیظ و خبے سے مغلوب ہو کر کھلم کھلا بھی ایسی بائیں کر گزرنے ہیں جو ان کی گھری دشمنی کا صاف پتہ ریتی ہیں، مارے دشمن اور حسد کے ان کی زبان قابو میں نہیں رہتی، پس عقلمند آدمی کا کام نہیں کر سکتا۔

ایسے دشمنوں کو رازدار بنائے، خدا نے تعالیٰ نے درست دشمن کے پتے اور موالات کے احکام بتلا دیئے ہیں جس میں عقل ہو گی اس سے کام لے گا۔

وَذُو أَمَانَاتِهِمْ، یہ فقرہ کافرا نہ دینیت کا پورا ترجمان ہے، اس کے اندر گھری تعیم اس بات کی آگئی کہ کوئی غیر مسلم کسی حال میں مسلمانوں کا حقیقی دوست اور خیرخواہ نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے **أَنَّهُمْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ** الایہ یعنی ہم تو یہ ہو کر ان مجتہ رکھتے ہو اور یہ تم سے ذرا مجتہ نہیں رکھتے، اور تم سب کتابوں کو مانتے ہو، اور وہ جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، اور جب ایکلے ہوتے ہیں تو کاث کاث کھاتے ہیں تم پرانگلیاں غصہ سے، اکہہ دیجیے کہ تم غیظ میں مر رہو، بیٹک اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے، یعنی یہ کیسی بے موقع بات ہے کہ تم ان کی دوستی کا دم بھرتے رہو اور وہ تمہارے دوست نہیں بلکہ جرڑ کاٹنے والے دشمن ہیں، اور عجیب بات یہ ہے کہ تم تمام آسمانی کتابوں کو مانتے ہو خواہ وہ کسی قوم کی ہوں، اور کسی زمانہ میں کسی نہ پہنچا زار ہو، اس کے برخلاف یہ لوگ محدثی کتاب اور سپری کو نہیں مانتے، بلکہ انہی کتابوں پر بھی خود ان کا ایمان صحیح نہیں، اس لحاظ سے چاہے تھا کہ وہ تم سے قدیمے مجتہ کرتے اور تم ان سے سخت نظر اور بیزار رہتے، مگر یہاں معاملہ بالکل بر عکس ہو رہا ہے۔

اس کافرا نہ دینیت کی مزید توضیح یہ ہے کہ ان **أَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ**، یعنی ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ اگر تمہیں کوئی اچھی حالت پہیں آجائے تو یہ ان لوگوں کو دکھبہ پانی ہے، اور اگر تم پر کوئی بُری حالت آپڑتی ہے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔

پھر منافقوں کے کید و مکرا درشدید مخالفین کے عناصر اور مخالفت کے نتائج سے محفوظ رہنے کا آسان اور سهل الاصول نہیں یہ بیان کیا گیا کہ وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَقْوُوا إِنَّهُمْ كُفَّارٌ هُمْ شَيْءٌ وَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَعْمَلُونَ مجھیطہ۔ اگر تم صبر اور تقویٰ ختیار کئے رہو تو

تم کو ان کی چالیں زرا بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گی۔

مسلمانوں کی نفع دکامیابی اور تمام مشکلات میں آسانی قرآن کریم نے مسلمانوں کو ہر قسم کے مصائب کا راز صبر اور تقویٰ کی دو صفتیں میں مضر ہے اور پریشانیوں سے محظوظ رہنے کے لئے صبر و تقویٰ کو صرف اسی آیت میں نہیں بلکہ دوسری آیات میں بھی ایک مژثر علاج کی جیشیت سے بیان فرمایا، اسی روکوئے کے بعد دوسرے روکوئے میں ہے: **بَلَّ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَقْوُوا وَتَأْتُكُمْ مُّكْرَمٌ مِّنْ أَنَّا لِلنَّاسِ مِنَ الْمُمْلَکَاتِ مُّسْتَقِيمٌ** (۲۵: ۲۰) اس میں امداد غیری کا وعدہ اپنی دشمنوں یعنی صبر و تقویٰ پر موقوف رکھا گیا ہے، سورہ یوسف میں فرمایا: **إِنَّهُمْ مِنَ الْيَقِينِ وَنَصِيبُرُوا** (۹۰: ۱۲)، اس میں بھی فلاج و کامیابی صبر و تقویٰ کے ساتھ وابستہ بتلائی گئی ہے، اسی سورہ کے ختم پر صبر کی تلقین ان الفاظ میں کی جا رہی ہے **لَيَأْتِيهَا الَّذِينَ يَقْنُنَا إِنَّمَا تَأْتُكُمْ مُّكْرَمٌ مِّنْ أَنَّ صَابِرُوا وَرَأَبْطَلُوا ثُنَدَ وَالْفُوْلَةَ تَقْلِمُكُمْ نُظْفَحُونَ** (۲۰: ۲۰) اس میں بھی فلاج و کامیابی کو صبر و تقویٰ پر معلان ہی گیا ہے۔

صبر و تقویٰ مختصر عنوان کے اندر انفرادی اور جماعتی زندگی کے ہر شعبہ اعمامی اور فوجی نظم و نسق کا ایک کامیاب مقابلہ بڑی جامیعت کے ساتھ آگیا۔

حضرت خاتم الانبیاء، صل اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

عَنْ أَبِي ذِئْرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَّلَ فِي الْمَدِينَةِ كَمِنْ أَيْكَمِ الْمَدِينَةِ أَيْتَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ سَلَّمَ إِنِّي لَأَعْلَمُ وَمَنْ أَنْوَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ سَلَّمَ بِهَا لَكَفَرْتُمْ وَمَنْ يَرْتَقِي إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْعَلُ لَهُ مَخْرَجًا الْآيَة: (۲۰: ۲۵)۔ (رساہ احمد)	رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَّلَ فِي الْمَدِينَةِ كَمِنْ أَيْكَمِ الْمَدِينَةِ أَيْتَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ سَلَّمَ إِنِّي لَأَعْلَمُ وَمَنْ أَنْوَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ سَلَّمَ بِهَا لَكَفَرْتُمْ وَمَنْ يَرْتَقِي إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْعَلُ لَهُ مَخْرَجًا
---	---

یہ دو نتیجے تھے دوستی کے لئے دہی کافی ہے، وہ آئت شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے راستہ نکال دیتے ہیں لا

وَإِذْ عَذَّ وَدَتْ مِنْ أَهْلِكَ تَبَوَّعَ الْمُؤْمِنِينَ مَقَا عِدَّ
 اور جب صبح کر نکلا تو اپنے گھر سے بھلانے لگا مسلمانوں کو لواں کے لئے **لِلْقَسَالِ وَالْمَدِينَ سَمِيعُ عَلِيِّمٌ** ۱۴۱) **إِذْ هَمَّتْ لِلْأَيْفَتِنِ**
 نہیں کوئی پر اور اس سب بھومنے جانتا ہے جب قصد کیا دد نہرتوں نے
مَنْكِرَهُمْ أَنْ تَقْسِلَهُمْ وَلَيَرْسَمُهُمَا وَعَلَى اللَّهِ فَلَيَسْتُوْكُلِ
 تم بھر سے کاموں کی اس اور اس دکار نہماں کا اور اسہیں پر جانتے کہ بھر دس

**الْمُوْمِئُونَ ۚ وَلَقَدْ نَصَرَ رَبُّكُمْ لِنَهَىٰ إِبْرَاهِيمَ قَاتِلَهُمْ وَإِذْلَلَهُمْ
كَرِيمُ مُسْلَمٌ اور تھاری بدو کر چکا ہے اللہ پر کی لڑائی میں اور تم کمزور رکھتے
فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعْلَكُمْ تَشْكِرُونَ ۚ**

سو ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم احسان مانو۔

رَبِّطَ آیات | گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ اگر مسلمان صبر و تقویٰ پر قائم رہیں تو کوئی طاقت ان کو ضرر نہیں پہونچ سکتی، اور یہ کہ غزوہ احمد کے موقع پر جو عساکری شکست اور تخلیف مسلمانوں کو پہونچی، وہ اپنی رو چیزوں میں بعض حضرات کی طرف سے کوتاہی کی بناء پر سمجھی اندر کورہ آیات میں اسی غزوہ احمد کا راقمہ بیان کیا گیا ہے، اور غزوہ بدر میں مشتعل کا۔

خلاصہ تفسیر

اور زده وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب کہ آپ صبح کے وقت راتیخ قاتلے
تسلیم، اپنے گھر سے راس غرض سے (نکلنے کے) مسلمانوں کو (کفار سے) مقابلہ کرنے کے لئے (منابع)
مقامات پر چاہنے کے لئے آمادہ کر رہے تھے (پھر اسی تجویز کے مطابق سب کو ان مقامات پر جادا یا، اور امشد تعالیٰ (راس وقت کی بائیں) سب سُن ہے تھے را اور اس وقت کے حالا)

سب جان ہے تھے راسی کے ساتھ یہ قصہ بھی ہوا کہ تم (مسلمانوں) میں سے دو جماعتوں
نے (کہ دہنی سلڑا در بینی حارثہ میں) دل میں خیال کیا کہ ہفتہ ار دیں را اور ہم بھی عبد اللہ ابن ابی منافق کی طرح اپنے گھر جا بیٹھیں، اور اللہ تعالیٰ تو ان دونوں جماعتوں کا مدد و گارحتا، رجھلاں کو کب ہستہ پارنے دیتا، چنانچہ خدا تعالیٰ نے ان کو اس خیال پر عمل کرنے سے محفوظ رکھا، اور ہم آئندہ کے لئے ان جماعتوں اور سب کو نصیحت کرتے ہیں کہ جب تم مسلمان ہو اپس مسلمانوں کو تو امشد تعالیٰ ہی پر اعتماد کرنا چاہئے را اور ایسی کم عتیٰ بھی شرکنا پا نہیں (اور یہ بات محقق ہے کہ حق تعالیٰ نے تم کو (غزوہ) بدر میں منصور فرمایا، حالانکہ تم رضی، بے سر و سامان تھے، رکیونکہ بمحی کفار کے مقابلہ میں کم تھا، دہ ایک ہزار تھے، اور مسلمان یمن سو تیرہ تھے اور ستحیار وغیرہ بھی بہت کم تھے) سو (چونکہ یہ منصور ہزا بدوں تقویٰ کے مخا، جس میں استقلال و صبر بھی داخل ہے تو تم پر لازم ہے کہ آئندہ بھی) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو راسی کا نام تقویٰ ہے، تاکہ تم راس نعمت نصرت کے (مشکر گذار رہو)

اپنے شکر گذاری صرف زبان کے ساتھ نا صاف نہیں بلکہ پورا مشکر یہ ہے کہ زبان اور قلب اپنی مشغول ہو، اور طاعت کی بھی پابندی ہو بالخصوص جبکہ اس طاعت کا اس نعمت پر ذمیل ہونا بھی ثابت ہو جائے۔

معارف و مسائل

غزوہ احمد کا پس منظر | آیت مذکورہ کی تفسیر سے قبل ضروری ہے کہ غزوہ احمد کے واقعہ پس منظر کو سمجھو لیا جائے۔

رمضان المبارک میں بدر کے مقام پر قریشی فوج اور مسلمان مجاہدین میں جنگ ہوئی، جس میں کفار کے کئے شہزادوں اس شخص مارے گئے، اور اسی تو گرفتار ہئے، اس تباہ کو اور ذات آمیز شکست سے جو حقیقتاً عذابِ الہی کی پہلی قسط بھی قریش کا جذبہ انتقام بھڑک اٹھا، جو سردار ماں سے گئے تھے ان کے اقارب نے تمام عرب کو غیرت دلائی، اور یہ معاملہ کیا کہ جب تک ہم اس کا بدلہ مسلمانوں سے نہ لیں گے پھر سے نہ بیٹھیں گے، اور اپنی دکبہ سے اپل کی کران کا سچاری قافلہ جو مال شام سے لایا ہے وہ سب اسی ہم پر (بیٹھے) اپنے گھر سے راس غرض سے (نکلنے کے) مسلمانوں کو (کفار سے) مقابلہ کرنے کے لئے (منابع) مقامات پر چاہنے کے لئے آمادہ کر رہے تھے (پھر اسی تجویز کے مطابق سب کو ان مقامات پر جادا یا، اور امشد تعالیٰ (راس وقت کی بائیں) سب سُن ہے تھے را اور اس وقت کے حالا) سب جان ہے تھے راسی کے ساتھ یہ قصہ بھی ہوا کہ تم (مسلمانوں) میں سے دو جماعتوں نے (کہ دہنی سلڑا در بینی حارثہ میں) دل میں خیال کیا کہ ہفتہ ار دیں را اور ہم بھی عبد اللہ ابن ابی منافق کی طرح اپنے گھر جا بیٹھیں، اور اللہ تعالیٰ تو ان دونوں جماعتوں کا مدد و گارحتا، رجھلاں کو کب ہستہ پارنے دیتا، چنانچہ خدا تعالیٰ نے ان کو اس خیال پر عمل کرنے سے محفوظ رکھا، اور ہم آئندہ کے لئے ان جماعتوں اور سب کو نصیحت کرتے ہیں کہ جب تم مسلمان ہو اپس مسلمانوں کو تو امشد تعالیٰ ہی پر اعتماد کرنا چاہئے را اور ایسی کم عتیٰ بھی شرکنا پا نہیں (اور یہ بات محقق ہے کہ حق تعالیٰ نے تم کو (غزوہ) بدر میں منصور فرمایا، حالانکہ تم رضی، بے سر و سامان تھے، رکیونکہ بمحی کفار کے مقابلہ میں کم تھا، دہ ایک ہزار تھے، اور مسلمان یمن سو تیرہ تھے اور ستحیار وغیرہ بھی بہت کم تھے) سو (چونکہ یہ منصور ہزا بدوں تقویٰ کے مخا، جس میں استقلال و صبر بھی داخل ہے تو تم پر لازم ہے کہ آئندہ بھی) اللہ تعالیٰ کے ذمیل پر بھور کیا، یہ نماطا ہوا، اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ اگر آپ کام منشار نہ ہو تو

پسیں تشریف رکھئے، فرمایا: "ایک پنیر کو سترزادار نہیں کر جب وہ ذرا پہن لے اور ہتھیار کا پھر بڑاں قاتل کے ہوتے بدن سے اُتارے" । اس جملہ میں نبی اور غیر نبی کا فرق واضح ہو رہا ہے کہ نبی کی ذات سے کبھی مکر دری کا اٹھا سار نہیں ہو سکتا، اور اس میں امت کے لئے بھی ایک بڑا سین ہے۔

جب آپ دینہ سے باہر تشریف لے گئے، تقریباً ایک ہزار آدمی آپ کے ساتھ تھے۔ مگر منافق عبداللہ بن ابی تقریب ایم سوادیوں کو ساتھ لے کر راستے سے یہ کھتا ہوا اپس ہو گیا کہ جب میر امشورہ شمانا اور دسردیں کی عمل کیا تو ہم کو لڑنے کی صورت نہیں، کیوں ہم خواہ مجواہ اپنے کو بلاکت میں ڈالیں، اس کے ساتھیوں میں زیادہ تو منافقین ہی تھے، مگر بعض مسلمان بھی ان کے فریب میں آکر ساتھ گئے تھے۔

آخر آپ کل سات سو سپاہیوں کی جمعیت لے کر میدانِ جنگ میں پہنچ گئے، آپ نے پُنہ فوجی قاعده سے صاف نزیب دیں، صفت آرائی اس طرح کی کہ اخذ کو پشت فی جانب رکھا، اور دو سکرات نظمات اس طرح کے کہ حضرت مصعب بن عمر کو علم (جنہڑا) عنایت کیا، حضرت زیر بن عوام نے کو رسالم کا افسر مقرر کیا، حضرت حمزہؑ کو اس حصہ فوج کی کمان میں جزوہ پوش نہ تھے، پشت کی طرف احتمال تھا کہ دشمن ادھر سے آئے، اس نے پیچ تیراندازوں کا درستہ متعین کیا، اور حکم دیا کہ وہ پشت کی جانب میل پر حفاظت کا کام ملائم دیں، لطفے والوں کی نجت دشکت سے تعلق نہ رکھیں، اور اپنی جگہ سے نہ رہیں، عبداللہ بن جبیرؑ ان تیراندازوں کے افسر مقرر ہوئے، قریش کو بتا دیں تھوڑا تھا اس لئے انہوں نے بھی ترتیب سے صفت آرائی کی۔

بنی ملیل الصلوٰۃ والسلام کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صفت آرائی اور فوجی قواعد کے لئے بھی ترتیب، غیروں کی نظائر میں سے نظم و ضبط کو دیکھ کر یہ حقیقت واضح ہوئی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امتحن کے رہبر کامل، متفہم نبی ہونے کے ساتھ سے سالارِ نظم کے لحاظ علیہ وسلم بسلامت تشریف رکھتے ہیں، چنانچہ وہ ہر طرف سے سخت کر پھر آپ کے گرد جمع ہو گئے، اور آپ کو بہتر اسی کی طرف لے گئے، اس مشکلت کے بعد مسلمان حدود حرب پریشان رہتے، اور یہ عارضی مشکلت چند اسباب کا تجوہ تھی، قرآن مجید کے وہ بھی آپ کے فوجی قواء اور نظم و ضبط کو سراحتا ہے، اس حقیقت کو دیکھ کر ایک سیمی "وَرَأَنَّ بَنِي إِلَهًا"

برخلاف اپنے بیانیں کے جو شخصیت و شجاعت ہے، رکھتے تھے مجدد ملیل اللہ علیہ وسلم، لیکن ابتداء کے فوجی حرب کی بھی نہیں، وہ نکالی تک والوں کی بے دصرخ اور لامعاً

لڑائی کے مقابلہ میں خوب دراندیشی اور سخت قسم کے نظم و ضبط سے کام لیا و یہ الفاظ بیسویں صدی کے ایک مویخ تمام اندر کے ہیں جو اس نے لائف آف محمدؐ میں بیان کی جنگ کا آغاز اس کے بعد جنگ شروع ہوئی، ابتداء مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا، یہاں تک کہ مقابلہ کی فوج میں ابڑی بیل گئی، مسلمان سمجھے کہ فتح ہو گئی، مال غیبت کی طرف متوجہ ہوئے، اور حرج تیراندازوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پشت کی جانب حفاظت کے لئے بٹھایا تھا انہوں نے جب دیکھا کہ دشمن بھاگ نکلا ہے تو وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر پہاڑ کے دامن کی طرف آنے لگے، حضرت عبداللہ بن جبیرؑ نے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تاکیدی حکم یاد دلا کر دکا، مگر جنڈا دیوں کے سواد دسردیں لے کھا کر حضورؐ کے حکم کی قصیل قوم وقت تھی اب ہیں سب کے ساتھ مل جانا چاہئے، اس موقع سے غالباً بنی جواہیں تک مسلمان نہ تھے اور اس وقت لشکر کفار کے رسالم کی کان کر رہے تھے، بر وقت فائدہ سیلاب یا کایک مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا، وہ سری طرف جو دشمن بھاگ گئے تھے، وہ بھی پلٹ کر حمل آور ہو گئے اس طرح لڑائی کا پانہ ایک دم پلات گیا، اور مسلمان اس غیر متوقع صورت تیراندازوں کا درستہ متعین کیا، اور حکم دیا کہ وہ پشت کی جانب میل پر حفاظت کا کام ملائم دیں، لطفے والوں کی نجت دشکت سے تعلق نہ رکھیں، اور اپنی جگہ سے نہ رہیں، عبداللہ بن جبیرؑ ان تیراندازوں کے افسر مقرر ہوئے، قریش کو بتا دیں تھوڑا تھا اس لئے انہوں نے بھی ترتیب سے صفت آرائی کی۔

اس داقعہ کی تفصیل میں کچھ ایسے واقعات میں جو اپنے اندر عظیم سبق لئے ہوتے ہیں، اور اس میں تمام مسلمانوں کے لئے مرعوظت و نصیحت کے جواہر پاہے غنی ہیں۔

اُحد کے واقعہ سے چند سبق ① پہلی بات جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکلا ہے کہ کفار قریش

اس جنگ میں عورتوں کو بھی لائے تھے، تاکہ رہ مرد دل کو پسالی سے روک سکیں، ہبھی کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ عورتیں ہندہ زوجہ اب سفیان کی سربراہی میں اشاعت کر کر مرد دل کو جوش دلاریں میں سے

إِنْ تَقْبِلُواْ نَعَانِيْ ۖ وَنَظِرُواْ النَّابِرَانِ
أَوْ عَدِيرَةٌ أَفَلَارِيْ ۖ لَا فِرَقَيْ دَامِيْنِ

”مطاب یہ تھا کہ اگر مقابلہ پر ڈٹے رہے اور منع ہالی تو ہم تم کو گھلے لگائیں گے، اور تھا یہ لئے نرم بست پھائیں گے، لیکن اگر تم نے پیٹھ دڑی تو ہم کو بالکل چھوڑ دیں گے۔“ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ الفاظ دعا یہ جاری تھے:

اللَّهُمَّ بِكَ أَصْنُوْلُ وَ بِكَ
أَفَرَأَلُ حَبِّيَ اللَّهُ وَ يَقْنُمُ لَوْكِيْنُ
کرتا ہوں اور تیرے ہی نام سے حمل کرتا ہوں
ادتیرے ہی رین کے لئے قتال کرتا ہوں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بڑا چھا کا درساز ہے“

اس دعا کا ایک ایک لفظ تعلق نہ اللہ کی تاکید اور مسلمانوں کے تمام افعال و اعمال علی کر جنگ و قتال کو بھی دیگر اقسام کے جنگ و قتال سے ممتاز کر رہا ہے۔

(۲) دوسرا چیز قابل غور یہ ہے کہ اس غزوہ میں بعض صابرینے بہادری و شجاعت، دجال نشاری اور ردا یافت کے وہ فتوح چھوڑے کہ تایخ اس کی تبلیغ پیش کرنے سے عاجز ہے، حضرت ابو دجانہؓ نے اپنے جسم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ڈھال بنایا تھا، کہ ہر گنے والا تیر اپنے سینہ پر کھاتے تھے، حضرت طلحہؓ نے ہبھی اسی طرح اپنے ہدن کو چھلنی کرایا تھا، لیکن حضور مکر رفاقت کو نہیں چھوڑا، حضرت انس بن مالکؓ کے چھا حضرت انس بن ملکؓ جنگ بدروں سے غیر حاضر ہے تھے اس لئے ان کو اس کا افسوس تھا، آرزو کرتے تھے کہ بنی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں اگر کوئی موقع احتراق آیا تو اپنے دل کی حسرت پوری کر دل گا۔ جب کچھ دن کے بعد جنگِ احـد کا واقعہ پیش آیا تو انس بن ملکؓ منتشر کر کے سلام جب منتشر ہو گئے تھے اور کفار قریش کا سیلا بامندر را متحاتویہ اپنی تلوار لے کر آگے بڑھے، اتفاقاً حضرت سعیدؓ سے ملاقات ہوئی، سعیدؓ بھی منتشر ہونے والوں میں جاہے تھے، پکار کر کہا: ”سعیدؓ کہاں چلے جا رہے ہو؟ میں تو احمدؓ کے اس دامن میں جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں؟“ یہ کہہ کر آگئے ڈھسے اور شدید قتال کے بعد اپنی جان جیاں آفسریں کے پرد کر دی (ابن کثیر)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب مسلمان منتشر ہو گئے اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ صرف گیارہ حضرات رہ گئے تھے جن میں حضرت طلحہؓ بھی تھے، کفار قریش کا سیلا امداد را سختا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کون ان کی خبر لے گا؟ حضرت طلحہؓ بول اٹھے، ”میں یا رسول اللہؓ ایک دوسرے انصاری صحابی نے کہا: ”میں حاضر ہوں“ انصاری کو آپ نے پھر وہی سوال کیا، حضرت طلحہؓ نے دی جواب دیا، اور بے تاب ہو رہے تھے کہ حضور حکم دی تو میں آگئے بڑھوں، حضور نے پھر کبھی دوسرے انصاری صحابی کو بھیج دیا، اور حضرت طلحہؓ کی تھنا پوری نہیں ہوئی، اسی طرح ساث بار حضور نے کہا، اور ہر مرتبہ حضرت طلحہؓ کو اجازت نہیں دی گئی، اور دوسرے صحابہؓ کو اجازت دی جاتی تھی وہ شہید ہو جاتے تھے۔

جنگ بدروں میں با جردن قلت تعداد کے مسلمانوں کو فتح ہوئی، غزوہ احـد میں بدروں کی پہنچ کشت تھی، پھر بھی شکست ہوئی، اس میں بھی مسلمانوں کے لئے محبت ہے، کہ مسلمانوں کو کبھی کشت ساز و سامان پر نہیں جانا چاہئے، بلکہ فتح کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھئے، اور اسی سے اپنے تعلق کو مضبوط رکھئے۔

جنگِ بدر کے موقع پر جب مجاہدِ جنگ حضرت عمرؓ کو مزید فوجی لگکر صحیبؓ کے لئے لکھا گیا اور قلم تعداد کی تھکایت کی گئی تو سخریر فرمایا:

قُدُّسَجَاهَةِ فِيْ كِتَابِكُمْ تَبَدَّلُ وَنَبَّىْ
فِيْ إِنْجِيلِ أَذْتَكُمْ عَلَىْ مَنْ هُوَ
أَغْرِنَنْصَلُ وَأَخْصَنَ بَحْنَدُ
اللَّهُ عَزَّوَجَلَ فَاسْتَنْصَرُ فِيْ
فَانَّ مُحَمَّدًا أَصْلَى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَدْ نُصِّفَ فِيْ يَوْمِ بَدْرٍ
فِيْ أَتَلَّ مِنْ عَدْ تَكْمِيْلًا فَإِذَا جَاءَكُمْ
سِكَّانِ هَذِهِ الْفَقَاتِ لَوْهُمْ وَلَكُمْ
قَوْاعِدُونِ فِيْ زَبَوْلِ الْمَسْدَاحَرِ
(رابن کثیر)

اس واقعہ کے راوی بیان کرتے ہیں کہ جب ہم کو یہ خط ملا ہم نے اللہ کا نام لے کر کفار کے لئے کثیر پر بیکارگی حلہ کیا جس میں ان کو شکست نا ش ہوئی، حضرت فاروقؓ اعلیؓ کو معلوم تھا کہ مسلمانوں کی فتح دشکست، قلت دشکست پر دائر نہیں ہوتی، بلکہ

الشیر توکل اور اس کی مدد پر موقوف ہے، جیسا کہ قرآن کریم نے غزوہ ہجتین کے بارے میں اس حقیقت کو وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیا، ارشاد ہے:

**نَوْمَ مُحَمَّدِينَ إِذَا أَعْجَبَتْهُ تُكْثُرُ
كُلُّنَّى كُلُّهُ فَلَمْ تَعْنِ عَنْتُكْثُرَ
عَمَّ كُوكُلَّ فَأَنَّهُ نَهِيْسَ بِهِنْكُلَّ
شَيْئًا۔ (۲۵:۹)**

اب آیات کی تفسیر پر غور فرمائیے،

إِذَا هَذَذَ دُنْتَ مِنْ أَهْلَكَ الْآيَةِ، یعنی جب کہ آپ صبح کے وقت اپنے گھر سے چلے، جنگ کے لئے مختلف مorrhوں پر مسلمانوں کو بٹھا رہے تھے۔

قرآن مجید کا نقل واقعات میں ایک خاص معجزہ ان اسلوب ہے، اکہ دہ عام طور پر کوئی داقد پوری تفصیل اور جزئیات کے ساتھ بیان نہیں کیا کرتا، مگر جن دا تعالیٰ اور جزویات میں خاص ہدایات مضر ہوئی ہیں وہ بیان کی جاتی ہیں اندر کو رہ آیت میں جو خاص جزوی امور کی تصریح ہے، مثلاً گھر سے بکلنے کا وقت کیا تھا، اس کو لفظاً غلیق وقت سے بیان فرمادیا، اور روایات حدیث سے پر ثابت ہے کہ یہ صبح ساتویں تاریخ شوال کی سلسلہ کی تھی۔

اس کے بعد یہ بھی بتلایا کہ اس سفر کی ابتداء کس جنگ سے ہوئی، میںنے آنھلائق کے لفڑے اشارہ ہوا کہ آپ اس وقت اپنے اہل دعیا میں تھے، ان کو دیں چھوڑ کر بکل کھڑے ہوئے حالانکہ یہ حملہ مدینہ ہی پر ہونے والا تھا، ان جزوی حالات میں یہ ہدایات مضر ہے کہ جب اللہ کا حکم آجائے تو اس کی تعلیم میں اہل دعیا کی محنت سنگ راہ نہیں ہوں چاہئے، اس کے بعد گھر سے بکلن کر معاذ جنگ تک پہنچنے کے جزوی واقعات کو چھوڑ کر معاذ جنگ کا پہلا کام یہ بیان کیا گیا کہ:

تَبَرُّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ الْقَتَالِ، یعنی آپ مسلمانوں کو قتال کے لئے مناسب مقام پر جا رہے تھے۔

پھر اس آیت کو اس طرح ختم کیا گیا کہ **إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى بِرَاضِنَةِ
دَالَّا بَرَّا بَانَةِ دَالَّا تَهْبَهُ،** یعنی علم کی صفات کو یاد دلا کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ اس وقت مخالفین و موافقین ردنوں جو کچھ اپنی جگہ پر کہہ شئ رہے تھے وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں آ جکا، اور اس موقع پر مخالفین و موافقین کے ساتھ جو کچھ پیش آیا، اس میں سے کوئی شے اس سے مخفی نہیں رہی، اور اس طرح اس جنگ کا انجام بھی اس سے مخفی نہیں اس کے بعد دوسرا آیت ہے **إِذَا هَمْتَ قَاتِلَنَّهُنَّمَّا نَقْشَلَّا إِذْمَ**، یعنی جب

تمہیں سے دو جماعتیں اس کا خیال کر دیجیں کہ ہستہ ہار دیں، درا خا لیکہ اللہ دونوں کا در دگار تھا، ان دونوں جماعتوں سے مراد قبیلہ اوس کے بنی حارثہ اور قبیلہ خزر کے بنی سلمہ ہیں، ان دونوں جماعتوں نے عبد اللہ بن ابی کی مثال دیکھ کر اپنے میں کمزوری اور کم ہمتی محسوس کی تھیں اللہ کے فضل نے دستیگری کی اور اس دسوسرے کو دسوسرے کے درجہ سے آئے نہ بڑھنے دیا اور یہ خیال بھی جو انھیں پسیدا ہوا، اپنی قابل تعداد، قلب سامان اور ماری کمزوری کی بناء پر تھا، نہ کہ ضعف ایمان کی بناء پر ممتازی کے مشہور امام مورخ ابن ہشام نے اس کو واضح فرمادیا ہے، اور ڈاہنہ **وَلِيَهُمَا كَذِيلَهُنَّا** کا جملہ خود ان کے ایمان کا مامل کا شہادت ہے ہاہے اس نے ان دونوں قبیلوں کے بعض بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ: «اگرچہ اس آیت میں ہم پر کچھ عتاب بھی ہے، یکن **وَلِيَهُمَا** کی بشارت بھی ہم اسے لئے آئی ہے»

اس آیت کے آخر میں فرمایا کہ «ماہزاں کو اللہ پر اعتماد رکھنا چاہئے، اس میں واضح کر دیا کہ کثرت عدد اور ساز و سامان پر مسلمانوں کو اعتماد نہیں کرنا چاہئے، بلکہ بعدہ استطاعت ماری سامان جمع کرنے کے بعد بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر ہو چکے بنو حارثہ اور بنو سلمہ کو کمزوری اور کم ہمتی کا جو دسوسرے پسیدا ہوا تھا وہ اسی ماری ضعف کی بناء پر تھا اس نے ان کے دسوسرے کا علاج توکل سے بتایا گیا کہ توکل داعتماد ان دساوس کے لئے نہیں اکیرہ ہے۔

توکل انسان کی اعلیٰ صفات میں ہے، محققین صوفیانے اس کی حقیقت پر مفصل بھیں کی ہیں یہاں اس قدر سمجھئے کہ توکل کے معنی یہ نہیں کہ تمام اسباب ظاہری سے بالکل قطع تعلق کر کے اللہ پر اعتماد کیا جاتے، بلکہ توکل یہ ہو کہ تمام اسباب ظاہری کو اپنی قدرت کے مطابق جمع کرے اور خستیار کرے، اور بھر تائیں اللہ کے پر کرے، اور ان ظاہری اسباب پر غزوہ نازنہ کرے، بلکہ اعتماد صرف اللہ پر ہے، بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہمارے سامنے ہے اخدا اسی چار میں مسلمانوں کے شکر کو جنگ کے لئے منظم کرنا، اپنی قدرت کے موافق اسلوں اور دیگر سامان حرب ذرا ہم کرنا، معاذ جنگ پر سچ کر مناسب حال و مقام نقشہ جنگ تیار کرنا، مختلف مورچے بناؤ کر صحابہ کرام کو ان پر جھانا دغیرہ یہ سب ماری انتظامات ہی تو تھے جن کو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارکہ سے استعمال فرما کر بتلادیا کہ ماری اسباب بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں، ان سے قطع نظر کرنے کا نام توکل نہیں، یہاں مؤمن اور غیر مؤمن میں فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ مؤمن سامان اور ماری طاقتیں حسب قدرت جمع کرنے کے بعد بھی بھروسہ توکل صرف

اللہ پر کرتا ہے، بغیر مومن کو یہ روحا نیت نصیب ہیں، اس کو صرف اپنی مادی طاقت پر بھروسہ ہوتا ہے، اور اس فرق کا ٹلوہر تمام اسلامی غروات میں ہمیشہ مشاہدہ ہوتا رہا ہے۔ اب اس کے بعد اس غزوہ کی طرف ذہن کو منتعل کیا جا رہا ہے، جس میں مسلمانوں نے کامل توکل کا مظاہرہ کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابی و نصرت سے سرفراز کیا تھا، ارشاد ہر وقت لئے حسن کمر اللہ پیغمبر اپنے آنحضرت اذلہ عزیز میں اس دلت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے بد رہیں تھاری امداد فرمائی، جبکہ تم قدار میں بھی عرف میں سوتیرہ تھے، اور وہ بھی بہلے سرہمان بدر کی ایستاد بدر مدینہ کے جنوب بغرب میں کوئی آئی میل کے ناصل پر ایک پڑاؤ اور منڈی اس پھیل دفعے کا نام ہے۔

اس وقت اسکی کراس نے ایستاد حامل تھی کہیاں پانی کی افزاط تھی، اور یہ عرب کے ریاستی میدانوں میں بڑی چیز تھی، توحید اور شرک کے درمیان میں سبکے پہلا معرکہ بر و ذبح، اور رمضان المبارک مطابق الارما پچ سالہ ترہ کو پیش آیا تھا، یہ غزوہ المنظاہر تو ایک منای جنگ معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نے دنیا کی تایخ میں ایک عظیم القلاع پیدا کر دیا، اسی نے قرآن کی زبان میں اس کو قوم لعشر قران کہا گیا ہے، فرنگی مردوں نے بھی اس کی ایستاد کا اقرار کیا ہے۔

امریکی پروفیسر ہلی اپنی کتاب ہسٹری آف دی عرب میں لکھتا ہے:
”یہ اسلام کی سب سے پہلی فتح میں تھی“

وَأَنْتُمْ أَذْلَةٌ۔ یعنی تم اس وقت تعداد میں قلیل اور سامان میں خیر تھے، مسلمان تعداد میں قوی روایات کے مطابق ۲۱۲ تھے، اس فوج کے ہمراہ گھوڑے صرف ۴۰ تھے، اور اونٹ شترکی تعداد میں تھے، انہی پر لوگ باری سوار ہوتے تھے۔ آخر کی آیت میں فرمایا گیا اُنّا ثقوا اللہ تعلّکمْ شکر وَنَّهْ فُنِي اللہ سے ڈری ہے تاکہ تم شکر گزار ہو۔

قرآن نے جگہ جگہ منافقین کے کیدا درشدید مخالفت کے نتائج پر سے محظوظ رہنے کے لئے تقویٰ اور صبر کو علاج بتایا ہے، ابھی وہ چیز دل کے اندر ساری تنظیمی جدوجہد اور فتح میں کاراز مضر ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہو رہا کا ہے، اور بیان صبر و تقویٰ کے بجائے صرف تقویٰ پر اکتفا کیا گیا ہے، کیونکہ درحقیقت تقویٰ ایسی صفت جامع ہے کہ صبر بھی اس میں شامل ہے۔

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَّا تَكُنْ فِيهِمْ كُمْرٌ بَلْ هُمْ بِكُلِّ هُنْكَارٍ
جب تو کہنے والے مسلمانوں کو سیا مسکو کافی ہیں کہ تمہاری مدد کو سچے رب تمہارا ہیں
الْآتِ مِنَ الْمَلِكَةِ مُنْزَلٍ إِنَّ رَبَّكُمْ بِأَنْتِمْ أَكْبَرُ
ہزار فرشتے آسان سے اترنے والے البتہ اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو
وَيَا تُوْكِمْ مُنْ فُوْرَهِمْ هَذَا يُمْلِدُ كُمْرَكُمْ بِخَمْسَةٍ
اور وہ آئیں تم پر اسی دم تو مدد سچے تمہارا رب
الْآتِ مِنَ الْمَلِكَةِ مُسْوِيْمِينَ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا
ہزار فرشتے نشان دار گھوڑوں پر اور یہ تو اللہ نے سخا کے دل کی
بُشْرَى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَ قُلُوبُكُمْ بِهِ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا
خوش کی اور تاکہ تسمیں ہر تمہارے دلوں کو اس سے اور مدد ہے صرف
مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ لِيَقْطَعَ طَرَفَ الْأَنْزَلِ
اللہ ہی کی طرف سے جو کہ زبردست ہے محنت والا تاکہ ہلاک کرے بچتے
كُفَرُوا وَيَكْتُبُهُمْ فِي قُلُوبِهِمْ أَخْرَى تِبْيَانِ
کافروں کو یا ان کو زبرد کرے تو پھر جادیں خود م ہو کر تیرا احتیاں کو ہیں
الْأَمْرُ شَعْرَأً وَيَتُوبَ عَلَيْهِمْ وَيُعَذِّبُهُمْ فِي أَنْتَهِهِمْ
یا ان کو توبہ دیوے خدا سے تعالیٰ یا ان کو عذاب کرے کر دے
ظَلِمُونَ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يَغْفِرُ
نا حق پر ہیں اور اللہ ہی کا مال ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کزمیں میں ہے بھی دے
لِهِمْ يَسْأَءُ وَيَعْذِبُهُمْ مَنْ يَشَاءُ مَا وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ
جسکو چاہے اور عذاب کرے جسکو چاہے اور اللہ بچتے والا ہر بان ہے۔
رَابِطِ آیاتِ سابقہ آیات میں بعض وصفت احمد غزوہ پر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امداد
نہیں ہونے کا ذکر تھا، آگئے اس امور کی سچے تفصیل اور فرشتوں کے سچے
کی بھوت کا بیان ہے۔

حُكْمَ الْأَصْنَافِ لِتَفْسِيرِ

إِذْ تَعَوَّلُ عَلَيْهِ مِنْهُنَّ رَالِيٌّ فَيَقْبَلُونَ حَاجَاتِهِنَّ ذَرْغَزَرَةٌ بَدْرِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى كَيْ يَرَهُ
اِمَادَاسْ دَقْتَ هُوتَنَّ تَحِيٌّ جِبَكَدَ آئِتَ (الے مُوصَلِ اللَّهِ عَلِيَّ وَسَلَمَ) مُسْلِمَانُوں سے یوں فرمائے تھے
کَرْكَيْمَ کُورْتَقْوِيْتَ قَلَبَ كَلَيْتَ (یا امر کانی نہ ہو گا کہ تمہارا رب تمہاری امداد اگرے نہیں، بزار
فَرَشَتوں کے ساتھ (جو اس کام کے لئے آسمان سے) ایسے جاویں گے (جس سے معلوم ہوتا
ہے کہ بڑے درجے کے فرشتے ہوں گے، درجہ ہو فرشتے پہلے سے زمین پر موجود تھے ان سے بھی
پَکَامَ بِيَا جَا سَكَتا تَهَارَدُوحَ) پھر اد پر کے استھانم کا خود جواب اس طرح ارشاد فرمایا، میں:
کیوں نہیں، (کانی ہو گا، اس کے بعد اس امداد میں مزید زیادی کا وعدہ اس طرح فرمایا کہ
مقابلہ کے وقت) اگر مستقبل رہو گے اور تقویے پر قائم رہو گے (یعنی کوئی امر خلاف احت
نا کر دے گے) اور دو لوگ تم پر کیبارگی حلہ کر دیں گے (جن میں عادۃ کسی مخلوق سے مرد بیچنا
مشکل ہوتا ہے) تو تمہارا رب تمہارے کا پانچ ہزار فرشتوں سے جو یہکی خاص
وضع کے بناءے ہوں گے (بیسے عالم جنگوں میں اپنی اپنی قوی کی پہچان کے لئے کوئی خاص
ورودی ہوتی ہے، آئے اس امداد و نصرت کی حکمت کا بیان ہے کہ اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد
(ذکر کو جو فرشتوں سے ہوتی) محسن اس نے کی کہ تمہارے لئے (غلبہ اور فتح کی) بشارت ہو،
اور تمہارے دلوں کو اس سے قرار آئے اور نصرت (وغلبہ) تو صرف اللہ کی طرف سے ہے
جو گہ زبردست ہیں (کہ دیے بھی غالب کر سکتے ہیں لیکن) حکیم (بھی) ہیں (وجوبِ حق تعالیٰ
حکمت یہ ہوتا ہے کہ اساب کے ذریعہ غلبہ دیا جائے تو دیے ہی اساب پیدا فرمادیتے ہیں، یہ
قواداد بالملائکہ کی حکمت تھی آئے اس کی حکمت کا بیان ہے کہ فتح و غلبہ تمہیں کیوں عطا
کیا گیا، اس کے لئے ارشاد فرمایا گیا) تاکہ کفار میں سے ایک گردہ کو ہلاک کر دے (چنانچہ
کافر دی کے ستر سردار میں مارے گئے) یا ان (میں سے بعض) کو ذلیل دخوار کر دے پھر وہ
نکام لوت جاری رہیں ان میں سے کوئی نہ کوئی بات ضرور ہو جائے اور اگر دنوں ہو جاویں
قواد بھی بہتر ہے، چنانچہ درجن بائیس کے ستر سردار مارے گئے، ستر قید ہو کر ذلیل
ہوتے، باقی ذلیل دخوار ہو کر بھاگ گئے)

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ (اِنْ قَوْلَهُ) تَغْفُرُ سُرُّكَ جِبَرِيلُهُ (الے مُوصَلِ اللَّهِ عَلِيَّ وَسَلَمَ)
آپ کو رکبی کے مسلمان ہونے یا کافر رہنے کے متعلق خود) کوئی رحل نہیں (رخواہ علم کا
رحل ہو یا قدرت کا بلکہ یہ سب خدا تعالیٰ کے علم اور قبضہ میں ہے آپ کو صبر کرنا چاہئے)

بیہاں تک کہ خدا تعالیٰ ان پر یا تو رحمت سے متوجہ ہر جادیں (یعنی ان کو اسلام کی توفیق ریڈیں تو اس وقت صبر تسلیم قلبی میں بدل جائے گا، اور سزا دینا کچھ بجا میں) کوئی مسازی رتو اس وقت صبر تسلیم قلبی میں بدل جائے گا، اور سزا دینا کچھ بجا بھی نہیں) کیونکہ وہ ظلم بھی بڑا کر رہے ہیں (مراد اس سے کفر و شرک ہے، جیسا کہ فتنہ میا رائے الشَّرِكَ نَظَمَ عَنْهُمْ وَكَعْدَ اِسْمِ ضَفْلُوں کی تاکید ہے) اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے ارجو کچھ کہ زمین میں ہے وہ جس کو جا میں بعثت دی ریعنی اسلام نصیب کر دیں جس سے مغفرت ہوتی ہے) اور حسکر جا میں عذاب دیں (یعنی اسلام نصیب نہ ہو اور اس وجہ سے عذاب را کئی ہو) اور اللہ تعالیٰ تو بڑے مغفرت کرنے والے (راد) بڑے رحمت کرنے والے یہیں (تو بخشش کا تو زرا بھی تعجب نہیں، کیونکہ رحمت قرآن کی سابق ہی ہے، اس لئے عذاب دینے کی وجہ ارب پر بیان فرمائی، فَإِنَّهُمْ ظَاهِرُونَ)۔

معارف و مسائل

فرشتوں کی امداد بھی کی حکمت اور مل مقصود | بیہاں طبعی طور پر ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور تعداد ملائکہ کی حکمت مذکور بیان کرنے کی حکمت نے اپنے فرشتوں کو وہ طاقت بخشی ہے کہ ایک بی فرشتہ پوری بھتی کا تحفہ اٹھ سکتا ہے، جیسا کہ قوم کو طکی زمین نہ تباہ جبریل ایں نے اٹھ دی تھی، تو پھر فرشتوں کا رنگر بھیجیں کی کیا صورت تھی۔

یزیر کہ جب فرشتے میدان میں آئے ہی سمجھے تو ایک کافر بھی بچا نہیں چاہئے تھا اس کا جواب خود قرآن کریم نے آیت وَمَا يَجْعَلُهُ اللَّهُ إِلَّا مُكْفِرًا میں دیدیا ہے کہ فرشتوں کے سبیلے یہ دو حقیقت ان سے کوئی میدان جنگ فتح کرنا مقصود نہ تھا بلکہ جاہدین مسلمین کی تسلی اور تقویت قابل ارشاد فتح دینا مقصود تھا، جیسا کہ اس آیت کے الفاظ مل اِلَّا بَشَرٌ فِي أَرْبَابِ الْجَنَّاتِ فَإِذَا أَنْكَمْتَهُ سَاطِعَہُ اِلَّا مُكْفِرًا میں سے اسی راقعہ کے متعلق آئے جوے الفاظ میں فَتَحَتُوا الْأَرْضَ مِنْ أَمْتَانِهَا (۱۲:۱۸) جس میں فرشتوں کو زندگی پر بیان نہ ہونے دیں، اس تبلیغت قلوب کی غنائمت صورتیں ہر سکھی میں ایک یہ بھی ہے کہ اپنے تصرف کے زریوں ان کے قلوب کو مفہوم کر دیں جیسا کہ مشايخ سو نیز اہل تصرف کا مہول ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کو خاتمات طائفوں سے واضح کر دیں کہ اللہ

فرشتے ان کی مدد پر کھڑے ہیں، کبھی سامنے ظاہر ہو کر کبھی آواز سے، کبھی کسی اور طریقے سے، جیسا کہ میدانِ بدر میں یہ سب طریقے استعمال کئے گئے، آیت فَإِذَا هُنَّ بُوَاْفُقُ الْأَعْتَاقِ (۸) ۱۱۲: ۸ بن ٹھیک بروایتِ الحاکم تصحیح لسپتی، اور بعض صحابہ کرام نے جہر میں این کی آواز بھی سُنی کہ اقدم حیزوں فرمائے ہیں، اور بعض نے خود بھی بعض ملائکہ کو دیکھا بھی رواداہ مسلم، یہ سب مشاہدات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، کہ ملائکۃ اللہ نے مسلمانوں کو اپنی نصرت کا یقین دلانے کے لئے کچھ کچھ کام ایسے بھوکتے ہیں کہ گویا وہ بھی قتال میں شریک ہیں اور وہ ان کا کام مسلمانوں کی قتل اور تعریث قلب تھا، فرشتوں کے ذریعہ میدانِ جنگ فتح کرنا مقصود نہیں تھا، اس کی واضح دلیل یہ بھی ہے کہ اس دنیا میں جنگ و جہاد کے فرائض انساف پر مانکے گئے ہیں، اور اسی وجہ سے ان کو فضائل درجاتِ حائل ہوتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہوتی کہ فرشتوں کے شکر سے ملک فتح کرتے جائیں تو دنیا میں کفر و کافر کا نام ہی شر ہتا، حکومت و سلطنت کی ترقیاً گنجائش تھی، مگر اس کا رغاد قدرت میں اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت ہی نہیں، یہاں تو کفر و ایمان اور طاعت و معصیت ملے چلے ہی چلتے رہیں گے، ان کے نکھار کے لئے حشر کا دن ہے۔

راہیے معاملہ کر غزوہ بدر میں ملائکۃ اللہ کو دکے لئے سمجھنے میں بحود عالمے آئے ہیں ان میں سورۃ النفال کی آیت میں تو ایک ہزار کا وعدہ ہے، اور آل عمران کی ذکورہ آیت میں پہلے تین ہزار کا پھر پانچ ہزار کا وعدہ ہے اس میں کیا حکمت ہے، بات یہ ہے کہ سورۃ النفال میں ذکور یہ ہے کہ جب میدانِ بدر میں مسلمانوں نے مخالف کی تعداد ایک ہزار و بھی، اور ان کی تعداد تین سو تیس و سی تواریکا وربت العزت میں ہست قاش کیا، اس پر یہ وعدہ ایک ہزار فرشتوں کی امداد کیا گیا، کہ جو عدو دنخواۓ دشمن کا ہے اتنا ہی عدد فرشتوں کا بھی دیا جائے گا آیت کے الفاظ یہ ہیں، إِذَا شَرَّفَنَّا مَنْزُوكَهُ زَيْلَكُهُ قَاتَلَنَّا جَاهَنَّمَ آتَنَّا مُمْلِكَةً كُمْبَانَنَّا مِنْ الْمُكْلَكَةِ مُمْرُدَ ذَلِكَنَّا (۱۰) اور اس آیت کے بعد بھی فرشتوں کی دل بھی مقصود ظاہر نہ رہا بلکہ مسلمانوں کے قلوب بچت رہیں اور ان کی فتح کی بشارت ملے، چنانچہ اس کے بعد کی آیت کے الفاظ یہیں، وَمَا يَرَى لَهُ لِرَبِّهِ لِرَبِّهِ لِرَبِّهِ لِرَبِّهِ لِرَبِّهِ اور سورۃ آل عمران کی آیت، زیرِ ذلیل میں یعنی ہزار فرشتوں کا، وہ شاید اس ہمار پر کیا جائے کہ بدر کے میدان میں مسلمانوں کو یہ ذریل کہ کر زہر میں ہزار فرشتوں کا، وہ شاید اس ہمار پر کیا جائے کہ

مشرکین نکل کی اعداد کو آرہا ہے رکذانی الردح) یہاں دشمن کی تعداد مسلمانوں سے تین گھنٹے زیادہ پہلے ہی سے تھی، مسلمان اس خبر سے کچھ پریشان ہوئے تو تین ہزار فرشتوں کا وعدہ کیا گیا تاکہ معاملہ بر عکس ہو کر مسلمانوں کی تعداد دشمن سے تین گھنٹے ہو جائے گی۔ پھر اس آیت کے آخر میں اس تعداد کو چند فرشتوں کے ساتھ بڑھا کر پانچ ہزار کر دیا وہ فرشتوں دو تھیں، ایک یہ کہ مسلمان صبر و تقویٰ کے مقام اعلیٰ پر قائم رہیں، دوسرے یہ کہ دشمن ان پر بھیارگی حملہ کر دے، مگر ان دو فرشتوں میں سے دوسری شرط یکبارگی حملہ کی را تھی نہیں ہوتی، اس لئے پانچ ہزار کی تعداد کا وعدہ نہ رہا، پھر اس میں ائمۃ توفیہ و فاتحہ کے اقوال مختلف ہیں، کہ اگرچہ وعدہ کی یہ شرط مختص نہیں ہوتی پھر بھی یہ وعدہ پانچ ہزار کی صورت میں پورا ہوا ایاصوفت تین ہزار کی صورت میں، یہ اقوال مختلف و درج المعاونی میں مذکور ہیں۔

آیت توفیہ لکھتی ہے ایک مجرم تھی۔ یہاں سے پھر اصل قصہ اُحد کی طرف عویز ہے در میان میں محلہ قصہ بدر کا ذکر آگیا تھا، اور سبب نزول اس آیت کا یہ ہے کہ اس غودہ اُحد میں حضور اُحد صلی اللہ علیہ وسلم کا دنہ ان مبارک جو کہ سامنے کے داد پر کے دو یعنی کے دانتوں کی کردٹوں میں چار دانت ہوتے ہیں رواہ پر دلہنے بائیں دو یعنی داہنے بائیں، ان چاروں میں نیچے داہنی طرف کا دانت شہید ہو گیا، اور جہڑہ مبارک مجروح ہو گی تو اپنے کی زبان مبارک پر یہ کھمات آگئے، کہ ایسی قوم کو کیسے فلاج ہو گی جنہوں نے اپنے بیسی کے ساتھ ایسا کیا، حالانکہ وہ بیسی آن کو خدا کی طرف بُول رہا ہے، اُس وقت یہ آیت نازل ہوتی۔

بخاری سے ایک قصہ اور بھی نقل کیا گیا ہے کہ کاپٹ نے بعض کفار کے لئے بد عمل بھی فشریانی تھی، اس پر یہ آیت نازل فرمائی، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر و تحمل کی تعلیم دی گئی ہے (از بیان لفڑاں ملختا)

يَا يَرَنَا الَّذِينَ أَمْنَوْا لَا تَأْكُلُوا الْرِّبَوْأَ ضَعَافًا مُضْعَفَةً
اَنْتَمْ اِيَّانَ دَلُو مَتْ كَهَاؤَ سُوَدَ دَوْنَے پَر
وَأَتَقْوَا اللَّهَ تَعَلَّمُ كُمْ تَقْلِيْمُونَ (۱۲) وَأَتَقْوَا النَّارَ لَتَّيَ
اوَرْ ئُرُو الْرَّتَسَ تَاکَ تَهَارَا بَحْلَا ہُو اور بھر اس آگ سے

خلاصہ تفسیر

اور خوشی سے کہا اذن اللہ کا اور راس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا امید ہے کہ تم رحم کے جائز گے (یعنی قیامت میں) اور دوڑ د طرف مغفرت کے جو تمھارے پروردگار کی طرف سے (نصیب) ہو اور (دوڑو) طرف جنت کے رمطاب یہ ہے کہ اپنے نیک کام خاتمیاً کر جس سے پروردگار تمھاری مغفرت کر دیں اور تم کو جنت عنایت ہو اور وہ جنت اے ایمان والوں میں مت کھاؤ (یعنی مت بواصل سے) کئی حصے زائد رکر کے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈر د امید ہے کہ تم کامیاب ہو (یعنی جنت نصیب ہو اور دزخ سے نجات ہو) اور اس آگ سے بچو جو (در اصل) کافر دل کے لئے تیار کی گئی ہے (ادر آگ سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ سود دغیرہ حرام کاموں سے بچو)۔

معارف و مسائل

آیت مذکورہ میں ذکر میں زیادہ اہم ہیں، اول ہی آیت کا مضمون جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا ہے، اس میں یہ بات قابل غور ہے کہ اگر رسول کی اطاعت بعینہ اللہ تعالیٰ کی اور اس کی بھی ہوتی کتاب "قرآن" کی اطاعت کا نام ہے تو پھر اس کے علاوہ بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے، اور اگر ان دونوں میں کچھ فرق ہے تو کیا ہے؟

دوسرا بات جو ہمیشہ یاد رکھنے اور اپنی علی زندگی کا قبلہ بنانے کے قابل ہے وہ وہ صفات اور علامات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے معتزل اور پرہیزگار بندوں کے لئے ان آیات میں بتلا کریے واضح فرمادیا ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت محض زبانی جنم خرچ سے نہیں ہوتی بلکہ اطاعت گزاروں کے کچھ صفات اور حالات ہوتے ہیں جن سے وہ ہمچنان جلتے ہیں۔

رسول کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ پہلا مسئلہ، پہلی مختصر آیت میں اس طرح بیان فرمایا ہے الگ کر کے بیان کر دیکھو **وَأَطْبِعُوا إِلَهَكُمْ مُّنْتَهِيَ الْأَرْضِ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تَرَحَمُونَ** ۴۵ ۴۶

اوہ حکم مانو اللہ کا اور رسول کا تاکہ تم پر رحم ہو اور دل دل ر بھیست کی طرف اپنے رب کی اور جنت کی طرف جس کا عرض ہے آسمان اور زمین تیار ہوں راست پر ہمیزگاروں کے

أَعْدَدْتِ لِلْكُفَّارِ

جو تیار ہوئی کافر دل کے داسٹے۔

خلاصہ تفسیر

اے ایمان والوں میں مت کھاؤ (یعنی مت بواصل سے) کئی حصے زائد رکر کے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈر د امید ہے کہ تم کامیاب ہو (یعنی جنت نصیب ہو اور دزخ سے نجات ہو) اور اس آگ سے بچو جو (در اصل) کافر دل کے لئے تیار کی گئی ہے (ادر آگ سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ سود دغیرہ حرام کاموں سے بچو)۔

معارف و مسائل

اس آیت میں سود کھانے کی حرمت و مانعوں کے ساتھ آضعافاً مضايقة

کا ذکر حرمت کی قید نہیں بلکہ سود کی قباحت کو واضح کرنے کے لئے ہے، کیونکہ دوسری آیات میں مطلقاً اربوں کی حرمت کا بیان ہمایت تشدید و تاکید کے ساتھ آیا ہے جس کی تفصیل سورہ لقہ میں آپکی ہے، اور آضعافاً مضايقة کے ذکر میں اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ جس کو سود کھانے کی عادت ہو جائے تو خواہ دہ اصطلاحی سود مرکب یعنی سود د رو د کے معاملہ سے پہلی بھی کر لے تو سودے حیثیت د کمال کو جب دربارہ سود پر چلاتے گاؤں دہ لاخالا اضعاف ہوتا چلا جاتے گا، اگرچہ سود خوروں کی اصطلاح میں اس کو سود مرکب یعنی سود د رکھنے کہیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ ہر ایک سودا نجام کا اضعاف اضعاف

ہی ہوتا ہے۔

وَأَطْبِعُوا إِلَهَكُمْ مُّنْتَهِيَ الْأَرْضِ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تَرَحَمُونَ ۴۵ ۴۶

اوہ حکم مانو اللہ کا اور رسول کا تاکہ تم پر رحم ہو اور دل دل ر بھیست کی طرف اپنے رب کی اور جنت کی طرف جس کا عرض ہے آسمان اور زمین تیار ہوں راست پر ہمیزگاروں کے

انسان کو اسلام اور ایمان کے بیان کا صول کی طرف متوجہ کر رہے ہیں کہ ایمان کا پہلا گز خدا سے تعالیٰ کے وجود، اس کی بندگی اور اس کی اطاعت کا انتراکر نامہ، تو دوسرا جزو رسولؐ کی تعلیم اور اس کی اطاعت ہے۔

اب یہاں خود طلب رہے کہ قرآن کریمؐ کے ارشادات سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسولؐ کی طرف سے صلی اللہ علیہ وسلمؐ کو کبھی ذراست ہے وہ سب باذن مدد وی ہوتا ہے۔ کچھ نہیں ہوتا، قرآن کریم کا ارشاد ہے ﴿وَمَا يُطِيقُ عَنِ الْهُوَىٰ هُوَ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِيْئَةٌ﴾ (۲۰: ۲۳) ایسی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلمؐ کو کبھی بولنے ہیں وہ کسی پسی خواہش سے نہیں کہتے، بلکہ وہ سب احمد تعالیٰ کی طرف سے "تو سی" ہوتی ہے، اس کا حامل تو یہ ہوا کہ رسولؐ کی اطاعت بعدینہ خدا تعالیٰ بھی کی اطاعت ہوتی ہے، اس سے الگ کوئی چیز نہیں، سورہ فاتحہ آیت ۸۰ میں خود قرآن نے بھی ان العاظمین اس کو واضح فرمایا،

مَنْ كَيْطَمِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ
اللَّهَ ۝

تواب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان دونوں اطاعتوں کو الگ بیان کرنے میں کیا فائدہ ہے، خصوصاً اس الزمام اور اہتمام کے ساتھ کہ پوچھے قرآن کریم میں یہی حدود مسموو ہے کہ دونوں اطاعتوں کا ساتھ ساتھ حکم دیا جائے۔

راز اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی ہدایت کے لئے ایک کتاب سیمی، اور ایک رسماں کے ذریعہ کام لگانے لگئے گئے اتوال یہ کہ، قرآن کریم کی آبات شیک اسی صورت اور رب الجمیع کے ساتھ لوگوں کو سچا دیں جس صورت سے وہ نازل ہوئیں۔

دوسرے یہ کہ وہ لوگوں کو نیلا ہری اور یا ٹمنی گند گیوں سے پاک کریں۔

تمہرے پر کوہ اس کتاب کے بخاہیں کی امت سکر تباہ دیں، اور اس کے مقاصد کو بیان فشریاں، ایزیریہ کو رہ کتاب کے ساتھ ہمکہ کی تعلیم دیں، یہ منفرد قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں تقریباً ایک ہی عنوان سے آیا ہے، ایشلُوْا غَبَّحُمْ ایتہ وَ قَرَرَتْنَیْہِمْ وَ

يَعْلَمُهُمُ الْكِتَابُ قَاتِلُعَلَمَهُمْ ۝ (۲۰: ۶۱)

صلووم ہوا کہ رسولؐ کے فرائض منصبیں میں صرف اتنا ہی داخل نہیں کہ وہ قرآن لوگوں کی پسخواری، بلکہ اس کی تعلیم اور تبیین بھی رسولؐ کے زیر ہے، اور یہ ہی ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلمؐ کے مخاطب امریکے فضماں، رہنماءوں، ان کے لئے قرآن کریم کی تعلیم کے یہیں تو نہیں ہو سکتے کہ محض الفاظ قرآنی کے لفظی معنی اُن کو سمجھائے جائیں، ایکو کہ وہ سب

۱۰۰: اُن کو بخوبی سمجھتے تھے، بلکہ اس تعلیم و تبیین کا مقصد صرف یہی تھا اور یہی بوسکتا ہے کہ قرآن کی تعالیٰ کے ایک بحکم عمل یا ہم العاظمین بیان فرمائے، اس کی تشرع اور تفصیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلمؐ نے اسی وجہ کے ذریعے سے لوگوں نگہ پہنچائی، جو قرآن کے الفاظ میں ہمیں آئی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تلب مبارک میں ٹوال جس کی طرف آیت قرآن اے ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِيْئَةٌ﴾ میں اشارہ کیا ہے، مثلاً قرآن نے بے شمار موارد میں صرف آیتہمُوا الصَّلَاةَ وَ آتُوا الزَّكَرَ کوہ فرائض پر احتفاظ کیا ہے، ہمیں خارج کے معاملہ میں قیام اور کورع اور سجدہ کا ذکر بھی آیا تو وہ بھی بالکل بھیہ ان کی بیانات کا ذکر نہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلمؐ کو ہبھل ایں نے خود آکر اللہ کے حکم سے ان تمام اعمال اور ارکان کی تفصیل صورت عمل کر کے بتائی، اور آپ نے اسی طرح قول عمل کے ذریعے آئست کو پہنچا دیا۔

زکوہ کے مختلف نصائح اور ہر نصائح پر زکوہ کی معمدة ایکا قیعنی، پھر یہ بات کہ کب مال پر زکوہ ہے اور کس مال پر نہیں، اور مقادیر نصائح میں کتنا حدود معااف ہے، پر سب تفصیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلمؐ نے بیان فرمائیں، اور ان کے فرائیں لکھو اگر متعدد صحابہ کرامؐ کے پرورد فرمائے۔

بِأَشْلَافِ قَرْآنِ حَمِيمٍ فَنَكِيرٍ،

لَا مِنْ مُلْكُهُ آمُونَ الْكُوْدَبِشِيْجَكُهُ،

يَا بَلِيلٍ (۱۸۸: ۶)

تبین آپس میں ایک دسرے کا، ایسا بطل

طریقہ پر ما حق دکھاؤ ۝

اب اس کی تفصیل کو راجح الوقت معاملات، بیت و شرارت اور امارات میں کیا کیا سورتیں ناقص اور بے انسانی یا ضرر عوام پر مشتمل ہونے کی وجہ سے باطل ہیں، پر سب حضور صلی اللہ علیہ وسلمؐ نے باذن خداوندی امت کو بتالی، اسی طرح تمام شرعی احکام کا بھی یہی حال ہے۔

قریب تمام تفصیلات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلمؐ نے اپنے فرض منصبیں کی اور ایسی کے لئے وہی امت کو سچی پاکیں، جو کوئی تفصیلات قرآن کریم میں مذکور نہیں، اس لئے یہ دنال حقا کہ کس وقت کیں نادا قصت کو یہ دھرم کا ہو گیہ تفصیل احکام خدا تعالیٰ کے دینیے ہوئے احکام نہیں، اس لئے خدا تعالیٰ کی اطاعت میں آن کی تعینی صورتی نہیں، اس لئے خدا تعالیٰ اس ساتھ قرآن میں بڑا پہنچی اطاعت، کے ساتھ ساتھ رسول کی اطاعت، کو لازم قرار دیا ہے،

و امداد میں تو خدا تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے، مگر ظاہری صورت اور تفصیل بیان کے اعتبار میں کچھ مختلط بھی ہے، اس لئے بار بار کہیں کیا کہ ساتھ بتلادیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلمؐ کو سچی تقدیر، و کچھ بحکم دیں اس کو ہمیں خدا تعالیٰ ہی کی اطاعت سمجھ کر یا نہ خواہ دو، قرآن

میں صراحت موجود ہو یا نہ ہو، یہ مسئلہ چونکہ اہم تھا اور کسی ناواقف کر دھوکہ لگ جاتے کے علاوہ رہنمائی اسلام کے لئے اسلامی اصول میں گذشتہ پھیلانے اور مسلمانوں کو اسلام کے صحیح راستے سے پہنچانے کا بھی ایک موقع تھا، اس لئے قرآن کریم نے اس خود کو صرف افظع اطاعت رسول کے ساتھ ہی نہیں بلکہ مختلف عنوانات سے امت محمدیہ علی صاحبہ الفضیلۃ والسلام کو بتالیا ہے، مثلاً آپ کے فرائض میں تعلیم کتاب کے ساتھ تعلیم حکمت کا اندازہ کر کے اس طرف اشارہ کر دیا، کہ علاوہ کتاب کے کچھ اربجی آپ کی تعلیمات میں داخل ہے اور وہ بھی مسلمانوں کے لئے واجب الاتباع ہے جس کو نہ نادھر حکمت سے تبریز فرمایا گیا ہے، کہیں ارشاد فرمایا کہ یعنی بنی اسرائیل ملکیت اللہ تعالیٰ (۲۳:۱۶) یعنی رسول کے یہیہ کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے لئے آپ پر نازل شدہ آیات کے مطالب و متساوی در تشریحات کو بیان فرمائیں۔

اور کہیں یہ ارشاد ہے کہ مَا أَشْكُمُ الرَّسُولَ فَخُذُواهُقَ وَمَا نَهِيَ عَنْهُ فَأَنْهِواهُ (۱۵۹:۲۲) یعنی رسول تم کو جو کوہ دین وہ لے لو، اور جس سے روکیں اس سے ہے آجاو پر سب انتظام اس کا کیا یا کہیں کو کوئی شخص یہ نہ کئے گے کہ ہم تو صرف ان احکام کے مکافت ہیں جو قرآن میں آئے ہیں جو احکام ہیں قرآن میں نہ ملیں ان کے ہم مکافت ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مَا تَعْصِمُ اللَّهُ بِمَا يَعْصِمُ عَلَى الْعَصْمَيْنِ (۲۲:۱۲) فرمایا کہ کہیں زبانے میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو رسول میں تعلیمات فائیہ منکشف ہو گیا تھا کہ کہیں زبانے میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو رسول میں تعلیمات اور تشریحات سے مکمل خلاصی حاصل کرنے کے لئے ہیں دعویی کریں گے کہ ہیں کتاب اللہ کا ہے اس لئے ایک حدیث میں صراحت بھی اس کا ذکر فرمایا، جس کو ترددی، ابو داؤد، ابن ماجہ تجویی اور امام حسین در حیث اللہ علیہم نے اپنی اپنی کتابوں میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے،

یعنی ہیزادہ ہو کر میں تم سے کسی کو ایسا لَا ئَنْهِيَنَ أَحَدَ كَمْ مُتَكَبِّرًا عَلَيْهِ
آہِيَتَهِ يَأْتِيهِ الْأَمْرُ مِنْ أَمْرِي
پاؤں کر دے اپنی مندر پر کہیے لگائے ہوئے
بے نکری سے بیٹھے ہوئے میرے امر نہیں
مِتَّا أَمْرَتُ بِهِ أَوْ هَمِيَّتُ عَنْهُ
کے متعلقات کے کہیں اس کو نہیں بخات
کیقُرْلُ لَا أَذْرِي مَا دَرَجَنَ
ہمارے لئے تو کتاب اللہ کافی ہے وحی کوچھ
فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَيْهِ اِتَّعْنَاهُ۔

اس میں پائیے ہیں اس کا اتباع کر لیتے ہیں، مختلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ جگہ جگہ رسول کی اطاعت کا باہر باہر ارشاد اور پھر مختلف عنوانات سے رسول کے دینے ہوتے احکام کو مانتے کی ہیات، یہ سب اسی خطرہ کے پیش نظر ہیں کہ کوئی شخص ذمہ دار احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیانات کو ہر لفظ تفصیلات احکام کو قرآن سے الگ اور اطاعت خدا تعالیٰ ہے جو اب کہہ کر انکار نہ کر سکیں

کوہ درحقیقت الگ نہیں ہے
محفظۃ او گفتۃ الشدود
گرچہ از حقوق عباد الشدود
دوسری آیت میں مغفرت اور جنت کی طرف مسابقت اور مساعدة کا حکم دیا گیا ہے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بعد یہ دوسرا حکم رکا گیا، یہاں مغفرت سے مراد اس طب مغفرت ہیں، یعنی وہ اعمال صالح جو باعث مغفرت الہی ہیں، صعباً ہڈتا بعدن سے اس کی تفسیر مخفف عنوانات سے منقول ہیں، مگر معنوں اور مضبوط سب کا ایک ہی ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کی تفسیر "ادیگی فرانخ" سے فرمائی، حضرت ابن عباس نے اسلام سے، ابوالعالیہ نے "ہجرت" سے الرَّبْنَ بْنَ الْمُكْبَرِ الرَّابِیَ سے، معاویہ بن جبیر نے آوار طاعت سے، فتحاک نے "تجہارت" سے، مکرمہ نے "توبہ" سے کی ہے، ان تمام افراد کا حامل یہی ہے کہ مغفرت سے مراد وہ تمام اعمال صالح ہیں جو مغفرت الہی کا باعث اور سبب ہوتے ہیں۔

اس مقام پر دو اقسام قابل غرہ ہیں، پہلی بات تو یہ ہے اس آیت میں مغفرت اور جنت کی طرف مسابقت اور مساعدة کا حکم، یا جارہا ہے، حالانکہ دوسری آیت میں لا مُتَّقِمَّوْا مَا تَعْصَمُ اللَّهُ بِمَا يَعْصِمُ عَلَى الْعَصْمَيْنِ (۲۲:۱۲) فرمایا کہ دوسرے فضائل حاصل کرنی تھا کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ فضائل دو قسم کے ہیں، ایک فضائل تودہ ہیں جن کا حاصل کرنا انسان کے خہتیار اور بس سے باہر ہو جن کو فضائل خیرخستیاری کہتے ہیں، جیسے کسی کا سفید رنگ یا جیدن ہونا یا کسی بزرگ خاندان سے ہونا وغیرہ، دوسرے وہ فضائل جن کو انسان اپنی محنت اور کوشش سے حاصل کر سکتا ہے، ان کو فضائل خہتیاری کہتے ہیں، فضائل انسانیتیاری میں دوسرے کی فضیلت ہاصل کرنے کی کوشش بلکہ اس کی تمنا کرنے سے میں اس لئے ووکا گا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق مختار میں تقیم کئے ہیں، کسی کی کوشش کا اس میں دخل نہیں، اس لئے وہ فضائل جو کوشش اور تمنا سے حاصل تو ہو گئے ہیں، اب سو اس کے کوئی اس کے دل میں حصہ اور بعض کی الگ بھروسی

ہے، اور کوئی فائدہ نہیں، مثلاً ایک شخص کالا ہے وہ گورا ہونے کی تمنا کرتا ہے تو اس سے کیا نفع ہے تسلیم، البتہ جو فضائل خہتیاری میں ان میں مسابقت اور مقابلہ کا حکم دیا گیا، میں ایک آیت میں نہیں، بلکہ متعدد آیتوں میں آیا ہے، ایک جگہ ارشاد ہے فاتحہ فیقرو

اللہ تعالیٰ (۲۲:۱۲) دوسری جگہ ارشاد ہے: وَنِعْدَ لِلَّهِ فَلَيَمَنَّا هُنَّ الْمُتَنَافِقُونَ (۲۶:۸۲)

ایک بزرگ نے فرمایا کہ اگر کسی انسان میں کوئی فطری اور طبعی کوتاہی ہو جس کا درود رکنا ایسے باہر ہو تو اس کو چاہتے کہ اپنی ایس کرتا ہی پر قانون رہ کر دوسروں کے کمال کو دیکھے بغیر انہا کام کرتا ہے ایکو کہ اگر وہ اپنی کوتاہی پر تماست اور دوسروں کے کمال پر حسد کرتا ہے تو جتنا کام کر سکتے ہے اس قدر بھی نہیں کر سکے گا، اور بالکل ناکارہ ہو کر رہ جائے گا۔

درسری چیز ہے اس مجدد قابل غور ہے وہ یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مغفرت کو جنت سے مقدم کیا، اس میں ممکن ہے کہ اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ جنت حصل کر لینا مغفرت الہی کے بغیر ناممکن ہے، کیونکہ انسان اگر تاجر عمر بھی نیکیاں کرتا ہے، اور محصیت سے کنارہ کش ہے تب بھی اس کے تمام اعمال جنت کی قیمت نہیں ہو سکتے، جنت میں لے جانے والی صرف ایک چیز ہے اور وہ مغفرت باری تعالیٰ ہے اور اس کافضل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَسْتَعِدُّونَ فَإِذَا قَاتَبْرَيْتُمْ بِهِ أَبْشِرُونَ فَإِذَا
خَسِيَّكُرْدَأَوْرَدَ اللَّهُكَنْ فَنَشَلَّ، كَمْ بَشَارَ
فَإِنَّهُ كُنْ تُلْيُ خَلَّ أَحَدَالِ الْجَنَّةَ
عَمَلَهُ قَائِمًا أَوْ لَا آتَى، يَأْتِيَرَسُولَ
هُنْسِبَجَنَّتَهُ كَمَا، لَوْكُونَ لَيْكَمَا، ذَكَرَ كَا
إِنْتَهَ كَالَّ، وَلَكَأَنَا إِلَّا آتَى شَعْرَنَيْ
يَأْسُولَ اللَّهُ، أَتَقْنَى فَرِمَا، زَمِيرَعَلَى
جَنَّتِ مِنْبَجَنَّتَهُ كَمَا، مَكْرِيَ كَالَّشَّتَعَالِ
رَتْرَغِيَّبَ تَرْهِيَّبَ بَحَوَالَ بَخْلَرِيَّ (مسلم)

حاصل یہ ہے کہ ہمارے اعمال جنت کی قیمت نہیں ہیں، لیکن مادت الشیبی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نسل سے اسی بندے کو فوازتا ہے جو اعمال صالحة کی توفیق ہوئی، وہی علامت ہے کہ اللہ اس سے راضی ہیں، لہذا اعمال کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہیں کرنا چاہئے، معلوم ہوا کہ دخول جنت کا اصلی باعث اور سبب مغفرت الہی ہے، اسی لئے مغفرت کی اہمیت کے پیش نظر مطلق مغفرت نہیں فرمایا گیا، بلکہ متعین ہے جن و پلگف فرمایا گیا صفتِ ربوبیت کے بیان کرنے میں منزہ لطف اور امتنان کا اظہار منقصو ہے۔

درسری چیز جس کی طرف روٹ لئے کا حکم دیا جا رہا ہے وہ جنت ہے، اور جنت کے سے باہر ہے میں فرمایا گیا ہے کہ اس کی دست اسی قدر ہے جتنا سارا آسمان و زمین ہے، انسان کے رماغ میں آسمان و زمین کی دستست، زیارت اور کرنی دست اسی آہی نہیں سکتی، اس لئے سماں کے لئے جنت کے عرض کو اس سے تشبیہ رہی، گویا بتلا دیا کہ جنت بہت وسیع ہے

اس کے عرض میں سارے زمین رأساً نہ سامن سما سکتے ہیں، پھر جب اس کے عرض کا یہ حال ہے تو طول کا حال خدا جانتے کیا ہو گا، یعنی تو اس وقت میں جب عرض کو طول کے مقابلہ لے جائے، لیکن اگر عرض کو فہم یعنی قیمت کے معنی میں لے جائے تو مطلب پر ہو گا کہ جنت کوئی ممول شے نہیں ہے، اس کی قیمت سارا آسمان و زمین ہیں، لہذا ایسی قیمت اور عظیم اثاثاں چیز کے لئے سابقت اور مساقعت کرو۔

تفسیر کریم ہے،

قَالَ أَبُو مُنْتَاجٍ إِنَّ الْفَرْضَ هُنَّا مَا
يُرِيشُ مِنَ الْمَتَّمِ فِي مُقَابَلَةٍ
الْمُسْتَمِعُ أَمْ تَعْنِيهَا لَوْبَيْعَثُ
كَعْنَ الْمُتَّمُوتِ وَالْأَمْرِ وَ
الْمَرْأَةِ إِنَّ لِكَ عَظُمٌ وَمُقْلَدٌ هُنَّا
وَجَلَّ الْخَطَرُ هَا وَإِنَّهُ لَأَيْمَانُ
شَيْءٍ وَإِنْ عَظُمَ
اس کی قیمت ہو گی، مقصود اس جنت کی خلقت اور جلالت، قدر کا بیان کرنا ہے؛

جنت کا دروساً صفت بتلایا، اُعْدَتْ لِلْمُتَّقِينَ، یعنی جنت پر ہیز گاردن کے لئے تیار کی گئی ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنت پسرا کی جا چکی ہے، قرآن و حدیث کے واضح اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت ساتویں آسمان کے اور پر ہے، اس طرح کہ ساتویں آسمان اس کی زمین ہے۔

أَلَّذِينَ يَنْفَعُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالصَّرَاءِ وَالْكَاظِرِينَ
جَنْرِيَجَتَهُ جَانِقَهُ مِنْ خُوشِيِّ مِنْ اُورِ حَمِيلِيِّ مِنْ اُورِ دِيَانِيِّ مِنْ
الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُحْسِنِينَ ۝
عَصَمَ اُورِ مَعَاتِ کرَتَهُ مِنْ دُوْجُونَ کُو اُورِ اللَّهُ چَاهَتَهُ بَلْ کرَتَهُ دَاؤُنَ کُو
دَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فِي أَحْسَنَهُ أَوْظَلَهُمُوا أَنْفُسَهُمْ وَرَدَّ
اُرِیِ کِجَبْ کِرْ بِیْٹِیْں کِمْ کَلَا گَنَاه، یَا تِرَا کَامْ کِرْبِیِ اپْنَیِ عنِ مِنْ تو یادِ کِرْبِیِ
اُنَّ، فَإِنَّهُمْ لَوْ يَهْمِمُونَ وَمَنْ يَعْفُرُ الَّلَّهُ لَوْ دَبَ
اُرِیِ بَنْشَ ما گَلَبَنَ اپْنَیِ گَنَاهُوں کِی اُورِ کُونَ ہے گَنَاه، بَنْشَ دَالَا

إِلَّا إِنَّهُ مَنْ وَكَمْ يُصْرُو وَأَعْلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ⑯ أُولَئِكَ
 اور آڑتے ہیں اپنے کئے پر اور وہ جانتے ہیں اپنی کی سوال اللہ کے
جَزَآءُهُمْ مَعْنَىٰ مَنْ لَمْ يَحْسُنْ وَجْهَتْ تَجْزِيَّتْ مِنْ تَحْسِنَهَا
 جزا ہے جنس ان کے رب کے اور باش جن کے پیچے نہیں بھی ہوں گی
الَّذِينَ هُنَّ خَلِيلُنَّ فِيهَا طَوْعَةً أَجْرًا لِعَمَلِيْنَ ⑰ قَدْ خَلَتْ
 پس ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ ان باغوں میں اور کیا خوب مزدوری ہے کام کریں اول کی ہوچکے ہیں تم
مِنْ قَبْلِ كُمْرُسْنَنْ ۖ فَسِيرُوْدَا فِي الْأَرْضِ فَانظُرْ وَأَكِفْ
 سے ہیلے راقدات سو پھر زمین میں اور دیکھو کر کیا ہوا
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْلَنْ بِيْكَنْ ۖ هَلْكَابِيَانْ لِلنَّاسِ وَهَدَىٰ وَ
 اسیم جھٹالے داؤں کا یہ بیان ہے لوگوں کے داسطے اور پدایت اور
مَوْعِظَةُ لِلْمُتَقِيْنَ ۗ ۱۸
 نصیحت ہے ڈرنے داؤں کو۔

خلاصہ تفسیر

ایسے لوگ ہیں جو کہ روزیکاروں میں خرچ کرتے ہیں (ہر حال میں) فراخت میں (رسی)

اور تنگی میں (رسی) اور غصہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں کی تقصیرات سے درگذر کرنا ہے

اور اللہ تعالیٰ ایسے نکوکاروں کو (جن میں یہ خصال ہوں بوجہ اکمل) بھروسہ رکھتا ہے اور (ایک ان

منذکورین کے اعتبار سے دوسرا سے درجہ کے مسلمان) ایسے لوگ (ہیں) کو جب کوئی ایسا کام کر کر زندگی

یہیں جس میں دوسروں پر زیادت ہو یا دو کوئی گناہ کر کے نام، اپنی ذات کا نقشان کرنے پس تو

رفروز، اللہ تعالیٰ رکی مظلوم اور عذاب (کو یاد کر لیتے ہیں، پھر اپنے ہمنا ہوں کی معافی جانتے ہیں)

رسیں اس طریقے سے جو معافی کے لئے مقرر ہے کہ دوسروں پر زیادت کرنے میں ان اپنی حقوق سے

بسی معاف کراتے اور خاص اپنی ذات کے متعلق گناہ میں اس کی حاجت نہیں (اوپر اشارے کی

سے معاف کرنا اور فوں میں مشترک ہے) اور (واقعی) اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہے کون جو گناہوں

کو بخشتا ہو رہا اپنی حقوق کے معاف کرنا سوہہ لوگ اس کا ختیار تو نہیں رکھتے کہ عذاب

سے بھی بچائیں اور (حقیقی) بخشش اسی کا نام ہے) اور وہ لوگ اپنے فعل (بد) پر اصرار

را درہ سڑھیں کرتے اور وہ ران باتیں کرو جانتے بھی یہیں رفلائیں کام ہم نے گناہ کا کیا اور یہ
 کو تو بہر فرقہ رہے اور یہ کہ خدا تعالیٰ غفار ہے، مطلب یہ کہ اعمال کی بھی درستی کر لیتے ہیں، اور
 عقاوی بھی درست رکھتے ہیں) ان لوگوں کی جزا بخشش ہے ان کے رب کی طرف سے، اور
 (بیشتر کے، ایسے باغ میں کہ ان کے لور ختوں اور مکافوں کے) پیچے سے نہیں چلتی ہوں گی
 وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے رادر اسی مخفیت اور جنت کی تحصیل کا شروع
 آئیتوں میں حکم تھا، بیچ میں اس کا طریقہ بتلایا، ختم پراس کا وہ فرمایا، اور ریس اچھا حق
 الخدمت ہے ان کام کرنے والوں کا وہ کام استغفار اور حسن اعتماد ہے، اور استغفار کا تجویز
 آئندہ اطاعت کی پابندی ہے، جس پر عدم اصرار و لالت کرتا ہے) بالحقین تم سے قبل
 روز بانوں میں (مختلف طریقے کے لوگ) گزر چکے ہیں رابنی مسلمان بھی سمجھے اور کفار بھی، اور
 ان میں خستگاہ و مقابلہ و مقابلہ بھی ہوا، لیکن اسجام کا رکفار ہی بلکہ ہوتے، چنانچہ اگر
 تم آنہا کا مشاہدہ کرنا چاہو تو تم روئے زمین پر چلو پھر وہ، اور دیکھو لو کہ اخیر انجام مکمل ہے کہ
 داؤں کا (یعنی گناہ) کیسا ہوا، دینی بلکہ دبر باد ہوئے، چنانچہ ان کی ہلاکت کے آثار اس وقت
 تک بھی باقی تھے، جس کو دوسری آیت میں فرمایا ہے قیلک ہمیشہ خواہی دا (۱۸:۲۲) قیلک
 مَا بِكُهُمْ لَهُمْ تُشْكُنُوا (۱۸:۲۸) وَإِنَّهُمْ بِإِيمَانِهِنَّ (۱۹:۱۵) یہ (مضمون ذکر) بیان کافی ہے
 تمام لوگوں کے لئے کہ اگر اس میں غور کریں تو عربت مہصل کر سکتے ہیں، اور بدایت اور
 نصیحت ہے خاص خدا سے ڈرنے والوں کے لئے ریعنی بدایت اور نصیحت بھی یہی لوگ شامل
 کرتے ہیں، بدایت یہ کہ اس کے موافق عمل کریں)۔

معارف و مسائل

ان آیات میں حق تعالیٰ نے مومنین متین کی خاص صفات اور علامات بتلائی ہیں،
 جن سے بہت سے فوائد متعلق ہیں، مثلاً یہ کہ مسٹر آن ہمیک نے جگہ جگہ نیک بندوں کی صحبت
 اور ان کی تعلیم سے فائدہ اٹھانے کی تاکید فرمائی ہے، کہیں صراحتاً لذین آنعت
 علیت یہیں فرمادیں کی سیدھی اور صحیح راہ اپنی مقبول بندوں سے سیکھنے کی طرف اشارہ فرمایا
 کہیں سوچوں کو امتحان الصادقین فرمائیں فرمائیں کی صحبت اور محیت کی خاص افادیت کی تلفتیں
 فرمائی، اور دنیا میں ہر گروہ کے اندر اپسے مجسرے لوگ ہو رکھتے ہیں، اچھوں کے لہاس میں
 نہ ہے بھی ان کی جگہ لے لیتے ہیں، اس سے ضرورت تھی کہ مقبول بندوں کی خاص علامات و
 صفات بتلائیں کہ سمجھادیا جائے کہ لوگ غلط رہنماؤں اور مقتداوں سے پر ہیز کریں، اور
 سے بھی بچائیں اور (حقیقی) بخشش اسی کا نام ہے)

صادقین کی علامتیں پہچان کر ان کا اتباع کریں، مومنین متعین کی صفات و علامات بیان فرمائے کے بعد انکی رائجی کامیابی اور جنت کے اعلیٰ مقامات تسلیک بندوں کو خوشخبری اور بُری را ہوں پہچنے والوں کے لئے نسیحت و ترغیب کا راستہ مکھلا گیا ہے ان آیات کے آخر میں ہدایت ایمان و ہُنّی قِرْمُونَعْلَه تَلْمِیظُن، میں اس کی طرف اشارہ ہے، مقبولین کی جو صفات و علامات یہاں ذکر کی گئی ہیں، اس میں ابتدائی آیات میں ان صفات کا بیان ہے جن کا تعلق انسانی حقوق اور ربانی معاشرت سے ہے، اور بعد کی آیات میں وہ صفات میں جن کا تعلق حق تعالیٰ کی عبادت و طاعت سے ہے، جن کو دسرے لفظوں میں حقوق العباد اور حقوق اللہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں حقوق انسانی سے متعلق صفات کو پہلے اور حقوق اللہ سے متعلق صفات کو بعد میں بیان فرمایا کہ اگرچہ اصل کے اعتبار سے حقوق اللہ سائے حقوق پر معمتم ہیں، لیکن دروں میں ایک خاص فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لے جو اپنے حقوق بندوں پر لازم کئے ہیں اُن سے نہ خدا تعالیٰ کا اپنا کوئی فائدہ متعلق ہے، نہ خدا تعالیٰ کو اُن کی حاجت ہے، اور اُن کے ارادہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان ہے، اُس کی ذات سب سے بے نیاز ہے، اس کی عبادت سے فائدہ خود عبادت کرنے والے کا ہے، پھر وہ رحیم الرحماء ملکہ ہے، اس کے حقوق میں بڑی سے بڑی کوتاهی اور غلط کرنے والا انسان جس وقت بھی اپنے کئے ہوئے پر نارم ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو چکے اور توبہ کر لے تو بارگاہ رحم و کرم سے اس کے سارے گناہ ایک دم میں معاف ہو سکتے ہیں، بخلاف حقوق العباد کے کو انسان ان کا محتاج ہے، اور جس شخص کے حقوق کسی کے ذمہ لازم ہیں اگر وہ ارادہ کرے تو اس کا نقصان بھی ہے، اور اپنے نقصان کو معاف کرنا بھی انسان کے لئے آسان نہیں، اس لئے حقوق العباد کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔

اس کے علاوہ نظام عالم کی درستی اور انسانی معاشرے کی اصلاح کا سب سے بڑا دار دار بانی حقوق کی ارادہ سیکل پر ہے، اس میں ذرا سی کوتاہی جنگ و جدال اور نسما کی راہیں کھول رہی ہے، اور اخلاقی فاضلہ اگر پیدا کر لئے جائیں تو دشمن بھی روستہ بن جاتے ہیں، صدیوں کی لٹایاں صلح و آشتی میں تبدیل ہو جاتی ہیں، اس لئے بھی ان مقامات کو مقدم کیا گیا جن کا تعلق انسانی حقوق سے ہے، ان صفات میں سب سے پہلی صفت یہ بتلائی علمی ہے:

أَلَّذِينَ يَنْهَا فُؤُنَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَعْلَمُ بِهِمْ وَهُوَ مِنْ أَنْهَى الْأَنْهَى

مال خرچ کرنے کے ایسے عادی اور خوگر میں کہ ان پر فراخی ہو یا نہیں ہر حال میں مقدور بھر خرچ کرتے رہتے ہیں، زیادہ میں سے زیادہ اور کم میں سے کم، اس میں ایک طرف تو یہ ہدایت ہے کہ غریب فقیر آری بھی اپنے آپ کو اندھر کی راہ میں خرچ کرنے سے بالکل فاغذہ سمجھیں اور اس کی راہ میں خرچ کر لئے کی سعادت سے محروم نہ ہوں، کیونکہ ہزار روپے میں سے ایک روپیہ خرچ کرنے کا بھروسہ ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی ہزار روپے میں سے ایک پیسہ خرچ کرنے کا بھوسی ہے، اور عملی طور پر جس طرح ہزار روپے کے لامک کو ایک روپیہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دینا کچھ شکل نہیں اسی طرح ہزار پیسے کے لامک کو ایک پیسہ خرچ کرنے میں کوئی شکیف نہیں ہو سکتی۔

دوسری طرف یہ ہدایت بھی ہے کہ تنگی کی حالت میں بھی بقدر حیثیت خرچ کرنے رہنے سے خرچ کرنے کی مبارک خصلت و معاشرت فنا نہیں ہوگی، اور شاید اللہ تعالیٰ اسی کی برکت سے فراغت اور فراخی بھی عطا فرادریں۔

یہ سری اہم چیز اس میں یہ ہے کہ بُو شخص اس کا خوگر ہو کر دوسرے انسانوں پر اپنا مال خرچ کر کے ان کو فائدہ پہنچائے، غریب، فقیروں کی ادا دکرے، ظاہر ہے کہ وہ کبھی دوسروں کے حقوق غصب کرنے اور ان کی مردمی کے خلاف ہضم کرنے کے پاس بھی نہ جاتے گا، اس نے اس پہلی صفت کا حامل یہ ہوا کہ مردمین متفقین اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے سے دوسرے انسانوں کو نفع پہنچانے کی نکریں رہا کرتے ہیں، خواہ ان پر فراخی ہو یا نہیں، حضرت عائشہؓ نے ایک وقت صرف ایک اندھر کا وانہ خیرات میں دیا، کیونکہ اس وقت ان کے پاس اس کے سوا کچھوڑ نہ تھا، بعض سلفت سے منقول ہے کہ کسی وقت انہوں نے صرف ایک پیاز کا صدقہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

إِنَّقُوْنَا النَّاسَ وَ تُؤْتُونَ شَرْقَةَ
وَ مُدُرَّا النَّاسَ وَ تُؤْتُونَ ظَلْفَتِ
شَأْوَةَ

تفسیر سعید میں امام رازی نے یہ حدیث کہیں نقل کی ہے کہ ایک وزر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صدقہ دینے کی ترغیب دی، تو جن کے پاس سرناپاندھی تھا انہوں نے وہ صدقہ میں دیدیا ایک شخص بھجو رکے چھٹکے لایا، کہ نیرے پاس اور کچھ نہیں، وہی صدقہ کر دیئے گئے، ایک اور شخص آیا اور عنین کیا یا رسول اللہ میرے پاس کوئی چیز صدقہ

کرنے کے لئے نہیں ہے، البتہ میں اپنی قوم میں عزت دار بھائیوں میں اپنی عزت کی خیرات کرتا ہوں کہ آئندہ کوئی آدمی مجھے کتنا ہی بُرا بھلا کے میں اس سے ناراض ہمیں ہر بھگا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور صحابہ کرامؐ کے تعامل سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اتفاق فی سبیل اللہ صرف مالداروں اور اغذیا، ہی کما حضرت نہیں ہے، غریب، فقیر بھی اس صفت کے حامل ہو سکتے ہیں کہ اپنی اپنی مقدرات کے موافق اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کر کے اس عظیم صفت کو حامل کر لیں۔

اتفاق فی سبیل اللہ کے لئے مزدودی یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ستر آن کریم نے اس بھگتی اور خرچ کیا جائے **مُتَعَفِّفُونَ لَا تُؤْذِنُ إِيمَانُهُمْ** ایا کہ وُگ تسلی اور فراخی ہر حال میں فی سبیل اللہ خرچ کرتے ہیں، یہ متین نہیں فرمایا کہ کیا خرچ کرتے ہیں، اس کے عوام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں صرف مال دز دلت ہی نہیں بلکہ ہر خرچ کرنے کی چیز داخل ہے، مثلاً جو شخص اپنا وقت، اپنی محنت اشکی راہ میں خرچ کرے وہ بھی اس الفاق کی صفت سے موصوف کیا جائے گا، جو حدیث بحوالہ تفسیر کبیر اور گزری ۴۶ وہ اس پرشاہدستی اور فراخی کے ذکر یہ بھی ہے کہ یہی وہ حال تین میں عادۃ انسان خدا کو بھولتا ہے، میں ایک اور بھتیجت **جَبْ مَا لَيْسَ فِي دُنْيَا أَوْ تَحْمِيلَهُ** میں خدا کو بھول جاتا ہے، اور جب تسلی اور مصیبت ہر قرباً اوقات اسی کی نظر میں رہ کر خدا سے غافل ہو جاتا ہے، اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ کر رہا کہ اللہ کے مقابل بندے وہ یہیں جو نہیں میں خدا کو بھولتے ہیں نہ مصیبت و تکلیف میں، ظفر شاہ رہلوی کا کلام اس معنی میں غوب ہے۔

ظفر آدمی اس کو زندگی کا خواہ پہنچا ہی صاحبِ فہم دز کا

چے عیش میں یاد ہندانہ رہی جسے طیش میں ثوفہ خدا نہ رہا اس کے بعد ان کی ایک خاص صفت اور علامت یہ تبلائی ہمیں کر اگران کو کسی ایسے سابق پڑے جو ان کو اذیت اور تکلیف پہنچائے، تو وہ غصہ میں مشتعل اور مغلوب نہیں ہو جاتے، اور غصہ کے مظہری پر عمل کر کے انتقام نہیں لیتے، پھر صرف یہی نہیں کہ انتقام نہیں بلکہ دل سے بھی معاف گردیتے ہیں، اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ تکلیف دینے والے کے ساتھ احسان کا معاملہ فرماتے ہیں، اسی ایک صفت میں گویا ہم صفتیں شامل ہیں، اپنے غصہ پر قابو پانا، تکلیف دینے والے کو معاف کرنا، پھر اس کے ساتھ احسان کا سلوك کرنا، ان تینوں چیزوں کو اس آیت میں بیان فرمایا:

وَإِنَّكُمْ لِظَاهِرٍ فِي الْعَمَلِ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ الْمُحْسِنِينَ

یعنی وہ لوگ جو اپنے غصہ کو رہا ہیتے ہیں اور لوگوں کا قفسہ ساخت کر دیتے ہیں، اور اشد تعالیٰ احتجاج کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

امام سیوطیؓ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت میدا علی ابن حسین رضی ارشد عنہما کا ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے کہ آپ کی ایک کنیز آپ کو روپو کراہی تھی کہ اچانک پانی کا برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما کے اور پر گرا، تمام کپڑے بھیگ گئے، غصہ آناتطبی امر تھا، کنیز کو خلاہ ہوا، تو اس نے بُورا یہ آیت پڑھی، **وَإِنَّكُمْ لِظَاهِرٍ فِي الْعَمَلِ** اتفیط۔ یہ سُنّت ہی خاندان نبوست کے اس بزرگ کا سارا غصہ اس نہیں ہو گیا، بالکل خاموش ہو گئے، اس کے بعد کنیز نے آیت کا رد سرا جملہ **وَإِنَّكُمْ لِظَاهِرٍ فِي الْعَمَلِ** میں فرمایا کہ میں نے تجھے دل سے بھی معاف کر دیا، کنیز بھی ہوشیار تھی، اس کے بعد اس نے تیسرا جملہ بھی سُنّاریا، **وَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ**، جس میں احسان اور حسن سلوك کی ہدایت ہے، حضرت علی بن حسینؓ نے یہ سُنّکر فرمایا کہ جائیں نے تجھے آزاد کر دیا اور روح المعانی بحوالہ یہی تھی۔

لوگوں کی خطاویں اور غلطیوں کو معاف کر دینا انسانی اخلاق میں ایک بڑا درجہ رکتا ہے، اور اس کا ثواب آخرت نہایت اعلیٰ ہے، حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "قیامت کے درز حق تعالیٰ کی طرف سے منادی ہو گی کہ جس شخص کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق ہے وہ کھڑا ہو جائے، تو اس وقت وہ لوگ کھڑے ہوں گے، جنہوں نے لوگوں کے ظلم و جر کو دنیا میں معاف کیا ہوا گا" ۴۷

ایک حدیث میں ارشاد ہے:

جو شخص یہ چاہے کہ اس کے محلات جنت میں اور پہنچے ہوں اور اس کے درجات لبند عمن مُنْظَمَةٌ وَلَيُغَيِّرُ مِنْ حَرَمَةٍ وَلَيُعَذِّبُ مَنْ حَرَمَةٍ وَلَيُصِّلُّ مَنْ قَطَعَتْهُ کبھی کچھ دنیا ہو اس کو بُلشیش دہریہ دیا کرے، اور جس نے اس سے ترک تعلقات کیا ہے اس سے ملنے میں پر ہر یہ نہ کرے ۴۸

قرآن کریم نے دوسری جگہ اس سے زیادہ وضاحت سے بڑائی کرنے والوں کے ساتھ احسان کرنے کا خلق عظیم سکھایا، اور یہ جلایا ہے کہ اس کے ذریعہ دشمن بھی ودست ہو جاتے ہیں، ارشاد فرمایا:

إِذْ قَمْ وَالْيَقْنَى هُنَّ أَحْسَنُ فَيَادًا
الَّذِينَ يَبْذِلُونَ لِلَّهِ ثُغْرَةً وَأَكْلَ مَا قَعْدَ إِذْ هُمْ يَعْلَمُونَ وَمَنْ جِئَ مِنْ كُلِّ
عَنَّا هُوَ لَنْ يَجِدْ لِنَا الْمُثْلَدَ تَعَالَى كَيْ يَادَ اور زُكْرَسَ کے خفَلَتَ کے سبب ہوتا ہے اس لئے
جب کوئی عناء سرزد ہو اللہ تعالیٰ کی یاد کو فوراً تازہ کرنا چاہئے، اور ذکر اللہ میں مشغول ہونا چاہئے۔
دوسری بہبیت ہے کہ عناء کی معانی کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں، ایک پھر
عناء ہوں پر نہ اس سے معانی مانگنا اور منفرت کی دعا، کرنا، دوسرے آئندہ
کے لئے اس کے پاس رہ جانے کا عزم حصل کرنا۔

اللہ تعالیٰ ام سب کو فتوح آن کریم کے تلاعے ہوئے اخلاق ناصل نصیب فرمائے
اللہم آمين۔

بینِ مَنْ قَطَّعَنَّ وَأَعْفَعَ عَنْ
ظَلَمَكَ وَآخِرُ لِمَنْ آسَاهُ
إِيمَانَ
فَرِمَّلَ بِرَأْيِهِ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی حسناتی تربیت بھی اس اعلیٰ پیمانہ پر
فرمائی ہے کہ آپ نے اپنی امت کو بھی یہ بہبیت دی کہ :

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبریزی شان ہے، آپ کی تعلیمات کی برکت یہی اخلاق و
ارصاد آپ کے خدام ہی بھی حق تعالیٰ نے پیدا فرمادیئے تھے، جو اسلامی معاشرے
کا طریقہ مہمازاب ہے، صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اور اسلامیت امت کی تاریخ اس قسم کے
واقعات سے بڑی ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؓ کا ایک راتھ ہے کہ ایک شخص نے بھرے بازار میں امام عظیمؓ کی
شان میں گستاخی کی اور گایاں دیں، حضرت امام ظلمؓ نے فصہ کو ضبط فرمایا، اور اس کو
پکھنہیں کہا، اور گھر پر واپس آئے کے بعد ایک خوان میں کافی دریم و دینار کہ کراس شخص
کے گھر تشریف لے گئے، دروازے پر دشک دی، شخص باہر آیا تو اشرقیوں کا یہ خوان س
کے ساتھ یہ کہتے ہوئے پیش فرمایا کہ آج تم نے بھر پر بڑا احسان کیا، اپنی نیکیاں بھی
دی دیں، میں اس احسان کا بدل کرنے کے لئے یہ تخفیف پیش کر رہا ہوں، امام کے ان عاملہ
کا اس کے قاب پر اٹھنا ہی سچا، آئندہ کو اس بڑی خصلت سے ہمیشہ کے لئے تاب
ہو گیا، حضرت امامؓ سے معانی مانگی، اور آپ کی خدمت اور محبت میں علم حصل کرنے کا
یہاں تک کہ آپ کے شاگردوں میں ایک بڑے عالم کی حیثیت حستیار کرل۔

یہاں تک ان اوصاف کا بیان تھا جو انسانی حقوق سے متعلق ہیں، اس کے بعد
حقوق اللہ سے متعلق صفات کا بیان اس طرح فرمایا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی
نہیں کرتے، اور کسی بمقتضیات بشریت ان سے گناہ ہو جائے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی
طرف متوجہ ہو کر مستغفار کرتے ہیں، اور آئندہ اس گناہ سے باز آنے کا ارادہ نہیں تھے
کہ لیتے ہیں، ارشاد ہے :

وَالَّذِينَ إِذَا أَفْعَلُوكُمْ أَفْاجِحَةً أَوْ ظَلَمُوكُمْ أَنْفَقُهُمْ ذَكْرُهُمْ وَاللَّهُ فَاعْسُنْ فَرِمَّلَ
لَهُمْ رَبُّهُمْ رَبَّنِيْنَ يَعْلَمُ مَا فَعَلُوكُمْ وَأَكْلَ مَا قَعْدَ إِذْ هُمْ يَعْلَمُونَ وَمَنْ جِئَ مِنْ كُلِّ
عَنَّا هُوَ لَنْ يَجِدْ لِنَا الْمُثْلَدَ تَعَالَى كَيْ يَادَ اور زُکْرَسَ کے خفَلَتَ کے سبب ہوتا ہے اس لئے
جب کوئی عناء سرزد ہو اللہ تعالیٰ کی یاد کو فوراً تازہ کرنا چاہئے، اور ذکر اللہ میں مشغول ہونا چاہئے۔
دوسری بہبیت ہے کہ عناء کی معانی کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں، ایک پھر
عناء ہوں پر نہ اس سے معانی مانگنا اور منفرت کی دعا، کرنا، دوسرے آئندہ
کے لئے اس کے پاس رہ جانے کا عزم حصل کرنا۔

اللہ تعالیٰ ام سب کو فتوح آن کریم کے تلاعے ہوئے اخلاق ناصل نصیب فرمائے
اللہم آمين۔

وَلَا تَرْهَنُوا دَلَالَاتَّ حُزْنٍ وَأَنْذِرُوا الْأَعْلَوْنَ إِنْ كَفَّتْ نَذْرٌ
أَوْ رَسْتَتْ نَذْرٌ هُوَ أَرْدَمْ نَذْرٌ مَحَادَّ أَوْ رَمَّ نَذْرٌ هُوَ إِيمَانٌ
مَنْعَمٌ هُنْيَنْ ۝ إِنْ يَمْسِكُمْ فَرِجُونَ فَقُلْ هَمْسَ الْقَوْمَ قَرْجَهُ
رَجْهَتْ هُوَ اگر پہنچا تم کو زمن تو پہنچ جائے ان کو بھی زخم
قَمْلَهُ طَ وَتَلَكَ الْأَيَامَ نَكَدَ اَرْلَهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ
اِیامی، اور یہ دن باری باری بستے رہتے ہیں، ہم ان کو لوگوں میں اور اس لئے کہ معلوم
الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَنَعَّدُونَ مِنْ كَرْهِ شَهَدَ آءَ طَ وَاللَّهُ لَا يَحِبُّ
کرے اللہ جن کو ایمان ہے اور کرے تم میں سے شہید اور اللہ کو محبت ہیں ظلم
الْظَّلَمِيَّنَ ۝ وَلِيَمَحِصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ
کا اس کے قاب پر اٹھنا ہی سچا، آئندہ کو اس بڑی خصلت سے ہمیشہ کے لئے تاب
کر لیتے ہوں، اور اس کے متعلق صفات کا بیان کیا تاہم دلائل کے ساتھ
یہاں تک کہ اس کے شاگردوں میں ایک بڑے عالم کی حیثیت حستیار کرل۔

رَأَيْتُمُوهُ وَأَنذِرْتُمُونَهُ

دیکھو یا تم نے اس کو آنکھوں کے سامنے۔

رَبِطَ آیات [الآن آیات میں پھر قصہ احمد کے متعلق مسلمانوں کو تسلی دینے کا مضمون ہے، کہ شہید سے یہی طریقہ الی چلا آیا کہ انہماں کارکفار ہی خائب و غادر ہوتے ہیں اگرچہ تم اس وقت اپنی بے عنوانی سے مغلوب ہو گئے، لیکن اگر اپنے مقتضیات ایمان یعنی ثبات و تقویٰ پر فاقہم رہے تو اخیر میں کفار ہی مغلوب ہوں گے۔]

خلاصہ تفسیر

اور تم را اگر اس وقت مغلوب ہو گئے تو کیا ہوا) ہمت مت اور اور رجھست کردار اور آخر تم ہی غالب رہو گے اگر تم پورے مومن رہے رجھنی اس کے مقتنیات پر ثبات بہے، اگر تم کو زخم (صدمه) پہنچ جائے، (جیسا احمد میں ہوا) تو (کوئی) حسبرا نے کی بات نہیں کیونکہ اس میں چند حکمتیں ہیں، ایک تو یہ کہ، اس قوم کو بھی (جو کہ متحار کے مقابل بھی یعنی کفار) ایسے ہی زخم (صدمه) پہنچ جکا ہے، (چنانچہ گذشتہ پدر میں رہ صدر مہ اٹھا پکے ہیں) اور رہما راسموں ہے کہ، ان ایام کو زخمی غالب و مغلوب ہوئے کے زمانہ کو) نوگوں کے درمیان اونتے بدلتے رہتے ہیں، رہیں کبھی ایک قوم کو غالب اور دوسری کو مغلوب کر دیا، کبھی اس کا عکس کر دیا، سراسی معمول کے مطابق پارسال وہ مغلوب ہوتے تھے، اب کے ستم ہو گئے، ایک حکمت تو یہ ہوئی، اور دوسری حکمت یہ ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو (ظاہر ہی طور پر) جان بیوس رکونک مصیبت کے وقت مخصوص اور نیک کا امتعان ہو جاتا ہے، اور (زیری) حکمت یہ ہے کہ، اگر تم میں سے بعضوں کو شہید بنانا تھا، (لیکن) حکمتیں آئیں آئیں درمیان میں جملہ معترض کے طور پر فرماتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ظلم (کفر دشک) کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتے دل، اس کا احتال دیکھا جاوے کہ مشاید رکنا ہوں کے میل کچل سے صاف کر دے ایمان والوں کو (کیونکہ) مصیبت سے اخلاق داعمال کا تصفیہ ہو جاتا ہے، اور رپاچھیں حکمت یہ ہے کہ، مثار یوئے کافروں کو دیا رہی اس نے کہ ناib آجائی سے ان کی ہمت بڑھے گی، پھر مقابلہ میں آئیں گے اور ہلاک ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں پر ظلم کرنے سے قبر خداوندی میں مستلا ہو کر ہلاک ہوں گے، اس اور سنو! کیا تم خیال کرتے ہو کہ جنت میں (خصوصیت کے ساتھ) جادا خل ہو۔ گے، حالانکہ ہزار

اللہ تعالیٰ نے (ظاہری طور پر) ان لوگوں کو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے (خوب) چھا کیا ہوا اور جو جاہ میں ثابت قدم رہتے والے ہوں، اور تم تو لشید ہو کر اپنے کی (بڑی) تنباکی کرتے تھے، موت کے سامنے آئے سے پہنچ سو، (ہنا کے مطابق) اس رکے سامان کو کھل آنکھوں دیکھ لیا از پھر اس کو دیکھ کر کیوں بھائیت لئے اور وہ ہنا ہمایں بھول گئے،

معارف و مسائل

غذہ، أحد کا واقعہ اپنی پوری تفصیل کے ساتھ اسی سیرت میں بیان کیا جا چکا ہے، جس میں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ اس جہاد میں مسلمانوں کی بعض کوتا ہیور، کے سبب ابتدائی فتح کے بعد پھر مسلمانوں کو شکست ہوئی، نصر صحابہ کرام شہید ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زخم آئے، مگر ان سب امور کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے جنگ کا پالہ پڑا، اور دشمن پسپا ہو گئے۔

اس عارضی شکست کے تین بسبب تھے، پہلا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں تیزاندازوں کو دریا تھارہ لہن اس باب کے ان پر قائم نہ رہے، کیونکہ اس بارے میں اختلاف رہے ہو گیا، کوئی کہتا تھا کہ ہم کو یہیں بچے رہنا چاہتے، اکثر نے کہا اکابر یا ان میں سب سے کوئی ضرورت نہیں رہی، چل کر سب کے ساتھ غیبت حاصل کرنے میں لگانا چاہتے، تو پہلے اب آپس کا بھگڑا تھا، دوسرا بسبب یہ ہوا کہ جب حضور کے قتل کی خبر مشہور ہو گئی تو مسلمانوں کے قلوب میں کمزوری پیدا ہو گئی، جس کا تجھہ بزرگی اور کمی، حقیقتی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ تیسرا بسبب جو ان دونوں سبیلوں سے زیادہ اہم تھا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعییں میں اختلاف پڑیں آیا، یہ میں خنزشیں مسلمانوں سے ہو گئی تھیں، جن کی بناء پر کا امتعان ہو جاتا ہے، اور (زیری) حکمت یہ ہے کہ، اگر تم میں سے بعضوں کو شہید بنانا تھا، (لیکن) حکمتیں آئیں آئیں درمیان میں جملہ معترض کے طور پر فرماتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ظلم (کفر دشک) کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتے دل، اس کا احتال دیکھا جاوے کہ مشاید ان کو محبوب ہونے کی وجہ سے غالب فرمادا ہو ہرگز نہیں، اور دوسری حکمت یہ ہے، تاکہ رکنا ہوں کے میل کچل سے صاف کر دے ایمان والوں کو (کیونکہ) مصیبت سے اخلاق داعمال کا تصفیہ ہو جاتا ہے، اور رپاچھیں حکمت یہ ہے کہ، مثار یوئے کافروں کو دیا رہی اس نے کہ ناib آجائی سے ان کی ہمت بڑھے گی، پھر مقابلہ میں آئیں گے اور ہلاک ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں پر ظلم کرنے سے قبر خداوندی میں مستلا ہو کر ہلاک ہوں گے، اس اور سنو!

لَا تَهْنُوا وَلَا تَخْرُجُوا وَأَئْتُمُ الْأَغْلُونَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ يَعْلَمُ اللَّهُ أَنَّهُ كَفَرَ بِكُمْ
کے لئے کمزوری اور سختی اپنے پاس رکھنے والے، اور گذشتہ پر رنج دلال نہ کرد، اور انہیم کا
تمہاری غالب ہو گئے، بشرطیکہ ایمان و ایقان کے راستے پرستی قم رہو، اور حق تعالیٰ کے وعدہ
پر کامل و تُوق رکھتے ہوئے اطاعت رسول اور حبادتی سبیل اللہ سے قدم پھینپھنے نہ ہٹاؤ۔

مطلوب یہ تھا کہ گذشتہ بائیں اور عزشیں جو ہو چکیں ہیں اُن پر رنج رعنی میں اپنا وقت
اور تو انی صرف کرنے کے بجائے مستقبل میں لپنے کام کی درستی کی فکر کرد، اور اسے کامیاب
بناؤ، ایمان و ایقان، اطاعت رسول و رخشنان مستقبل کا ٹھاں ہے، ان کو ہاتھ سے نہ جانے
اور انعام کا رقم تمہاری غالب رہو گے۔

اس فقرتی آواز نے ٹوٹے ہوئے دنوں کو جوڑ دیا، اور پژمرہ ہبھول میں تازہ روح
پھونک دی، غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی کس طرح تربیت و اصلاح فرمائی
اور ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کو ایک ضابطہ اور اصول دیدیا، کہ گذشتہ قوت شدہ امور پر
رنج و ملال میں وقت صرف کرنے کے بجائے آئندہ کے لئے قوت و شوکت کے اساب
بہم پہنچانے چاہئے، پھر اس کے ساتھ ہیں ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا کہ غلبہ اور بلندی حاصل
کرنے کے لئے صرف ایک ہی چیز اصل ہے یعنی ایمان اور اس کے تقاضے پورے کرنا، ایمان
کے تقاضہ میں وہ تیاریاں بھی داخل ہیں جو جنگ کے سلسلہ میں کی جاتی ہیں، یعنی اپنی فوجی
قوت کا انحصار، سامانِ جنگ کی بہم رسالی اور ظاہری اسباب سے بقدر دستت آرتی
و مسلح ہونا، غزوہ آحمد کے واقعات اول سے آخر تک ان تمام امور کے شاہد ہیں۔

اس آیت کے بعد ایک دسمبرے انزاد میں مسلمانوں کی تسلی کے لئے ارشاد ہے کہ اگر
اس لڑائی میں تم کو زخم پہنچا یا مکملیت اٹھائی پڑی، تو اسی طرح کے حادث فرقی مقابل کو
بھی تو پہنچ کر یہیں اُگرا ہوئیں تھیاں ستر آدمی ہٹپیدا اور بہت سے زخمی ہوئے تو
ایک سال پہلے ان کے ستر آدمی جنہم رسیدا اور بہت سے زخمی ہو چکے ہیں، اور خود اس لڑائی میں
بھی ابتداء ان کے بہت سے آدمی مقتول و مجروح ہوئے، ہمدا فرمایا:

إِنْ يَشْتَكِمْ قَرْجَةً فَقَدْ مَسَّ الْقَوْدَمْ فَرَجَّعَ مَكْلَهَ وَيَلْكُفُ الْأَيَامَ مَكْلَهَ لِكَاهِ
سینِ النَّاسِ، یعنی اگر تم کو زخم پہنچا تو ان کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے، اور ہم ان ایا
کو باری باری بدلتے رہتے ہیں، جس میں بہت سی جھکتیں پوشیدہ ہیں۔

اس آیت میں ایک اہم ضابطہ اور اصول کی طرف رہنمائی فرمائی، دہی کے اللہ تعالیٰ
کی عادت اس عالم میں ہوئی ہے کہ وہ سختی، نرمی، مذکور، مشکور، مکملیت و راحت کے دنوں کو

و گوں میں اذل بدل کرتے ہیں، اگر کسی وجہ سے کسی باطل قوت کو عارضی فتح و کامرانی حصل ہو جائے
تو جماعتِ حقدہ کو اس سے بدل نہیں ہونا چاہئے، اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہم کو اب ہمیشہ
ٹکست ہی ہوا کرے گی، بلکہ اس مشکست کے اساب کا پتہ لگا کر ان اس باب کا تدارک
کرنا چاہئے، انعام کا فتح جماعتِ حقدہ کو نصیب ہو گی۔

**وَمَآمُ حَمَدُ لِلَّهِ رَسُولُهُ فَلَنْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرَّسُولُ طَافَّاً فَإِنْ
وَرَّ مُحَمَّدٌ تَوَكَّبَ رَسُولٌ هُوَ بَعْدَهُ اس سے پہلے بہت رسول پھر جیا اور
لَمَّا تَأْتَ أَوْ قُتِلَ الْقَلْبُهُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ طَوَّمَنْ يَنْقِلَبُ عَلَى
وَهُرَّجِيَا يَا مَارَاجِيَا تَوْتَمْ پَھرَجَارَعَيْ أَلَّا بَأْلَ اور جو کوئی پھر جائے گا اُلَّا
عَقِبَيْهِ فَلَمَّا يَضَرَّ أَنَّهُ شَيْعَاطَ وَسَيْجَزِيَ اللَّهُ الشَّكَرِيَنَ ۝
بَأْلَ تو ہر گز نہ جاڑے گا اُنہا کا بچھو اور اللہ ثواب دیجا شکر گزاروں کو
وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمْوَتَ لَا يَأْدُنَ اللَّهُ كِتَابًا مَوْجَلَكَ طَ
اُور کوئی مرنہیں سکتا بخیر ہم اللہ کے لئھا ہوا ہے ایک وقت مفتر
وَمَنْ يَرِدْ ثَوَابَ اللَّهِ نِيَامَوْتِهِ مِنْ سَاجَ وَمَنْ يَرِدْ ثَوَابَ
اور جو کوئی چاہے گا بدل دنیا کا دیوبنی گے ہم اس کو دنیا سے اور جو کوئی چاہے گا بدل
الْآخِرَةِ نُوْنِهِ مِنْقَاطَ وَسَيْجَزِيَ اللَّهِ كِتَابِيَنَ ۝
آخرت میں اسی سے دیوبنی گے ہم اس کو اور ہم ثواب دیں گے احسان مانے والوں کو**

خلاصہ تفسیر

اور محمد رضی اللہ علیہ وسلم نے رسول ہی توہین رخداد توہین جس پر قتل یا مرد مکن نہ ہو
اپنے سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں راسی طرح آپ بھی ایک روز گز رہی جائیں گے)۔
و اگر آپ کا استقال ہو جاوے یا آپ شہید ہو جاویں تو کیا تم لوگ (جہاد یا اسلام سے)
اُلَّا پھر جاڑے گے (جیسا کہ اس واقعہ میں بعضے مسلمان میدانِ جنگ سے بھاگ ٹڑے تھے
اور منافقین تر خیب ارتدا کی نئے رہے تھے) اور جو شخص (جہاد یا اسلام سے) اُلَّا پھر جاڑے
و نہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ کرے گا (بلکہ اپنا ہی کچھ کمردے گما) اور خدا تعالیٰ جلد ہی
اُبک (عوض دے گا، حق شناس لوگوں کو (جو ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کو

یاد رکھ کر اس کی اطاعت پر فاقہم دستیقی رہتے ہیں، اور قیامت کو مناجلہ ہی ملنا ہے، کیونکہ قیامت روزانہ قریب ہی ہو رہی ہے) اور رنیز کسی کے مردنے سے اتنا گھبراانا بھی فضول ہے، کیونکہ اول تو کسی شخص کو موت آنا بھی نہیں (خواہ طبعاً خواہ عقل) (بروں حکم خدا کے دچھ جب خدا کے حکم سے ہے تو اس پر راضی رہنا ضرور ہے، دوسرے یہ کہ جس کی موت آئی بھی ہے تو، اس طور سے کہ اس کی میعاد معین نہیں ہوئی رہتی ہے (جس میں تقدیم دنیخیر نہیں ہو سکتی، تو پھر ایمان اور حضرت محض بیکار ہے، تو وہ وقت پر ضرور ہوگی، اور وقت سے پہلے ہر گز نہ ہوگی) اور رپھر یہ کہ اس تو حشر پر بھائی کیا، بھجئے اس کے کردنیا میں اور چند روز زندہ رہیں، سو ایسی تدبیر کا اثر سن لو کہ (جو شخص اپنے اعمال و تدابیر میں) دنیوی تیجہ چاہتا ہے تو ہم اس کو دنیا کا حصہ رہش رہ اپنی مشیت کے) دیسیتے ہیں (اوہ آخرت میں اس کے لئے کچھ حصہ نہیں)، اور جو شخص را پہنچ ساری کوششوں کا خوزر اور ساری امیدوں کا مظہر تھی وہ بھی ان سے رخصت ہوتی ہے، اس کا طبعی تیجہ یہ تھا کہ صحابہ کرام کی ایک بھاری جماعت سرا بھی ہو کر میدان جنگ سے ہٹنے والی (عوض دیں گے رائیے) حق شناسوں کو رجوانے اعمال میں آخرت کی نعمت چاہیں)

معارف و مسائل

پ آیات بھی غزوہ احمد کے واقعات سے متعلق ہیں، کیونکہ ان واقعات کو کئی وجہ سے خاص اہمیت حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے سورہ آل عمران کے چار پانچ روکوں تک غزوہ احمد میں پیش آئے والی فتح دشکست اور ان دونوں میں جو قدرتی بذایات پوشیدہ تھیں ان کا بیان مسئلہ فرمایا ہے۔

ذکورہ آیتوں میں سے پہلی آیت میں بعض صحابہ کرام کی ایک لغزش پر تہذید آمین تنبیہ کر کے ایسے اصول مسئلہ کی طرف بڑایت کی گئی ہے کہ سوچنے والوں کو اس سے یہ بھی تھا کہ جاتا ہے کہ اس عارضی شکست اور اس میں آئنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی ہوتے اور حضور کی رفات کی خرچیں جانے کی اور اس پر بعض صحابہ کی ہمت پست ہو جانے میں یہ راز بھی تھا کہ مسلمان اس اصولی مسئلہ پر علی طور پر سچھتے ہو جائیں، وہ مسئلہ یہ تھا کہ جہاں صوب اسلام میں اس کی بڑی اہمیت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کو جزو ایمان فشرار دیا جائے، اس میں اولیٰ کمزوری کو کفر کے مراد ف بتایا گیا ہے، دویں یہ بھی اتنی ہی اہم تھی کہ کہیں مسلمان اس مرض کا شکار نہ ہو جائیں جس میں نصاری اور

عیسیٰ مسٹلا ہو گئے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت و محبت کو پرستش اور عبادت کی حد تک پہنچا دیا، اور ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک خدائی تھی رہا۔

غزوہ احمد کی عارضی شکست کے وقت جب کسی نے یہ مشہور کردیا کہ آئنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفات ہرگز تصحیح کرام پر جو کچھ گذری اور گذری چاہتے تھیں اس کا اول اس اعزازہ کرنا بھی ہر شخص کے لئے آسان نہیں، اس کا اعزازہ کچھ دی ہی لگائی کتابے جس کو صحابہ کرام کی جانشانی اور عشق رسول کا کچھ اعزاز ہے، جس کو یہ پوری طرح معلوم ہو کر یہ وہ حضرات پیش ہوئے نہیں ہو سکتی، تو پھر ایمان اور حضرت محض بیکار ہے، تو وہ وقت پر ضرور ہوگی، اور مگر ایمان نے آئنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت میں مال اولاد اور اپنی جانیں اور سب کچھ مگزاری نے کو دنیا کی سب سے بڑی سعادت سمجھی اور عمل سے اس کا ثابت دیا ہے۔

ان عطاویں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کا نوں میں جب یہ خبر بڑی ہوگی ان کے ہر شوہ و حواس کا کیا عالم ہو گا خصوصاً جب کہ میدان جنگ گرم ہے، اور فتح کے بعد شکست کا منظر آنکھوں کے سامنے ہے، مسلمانوں کے پاؤں اکھڑا رہتے ہیں، اس عالم میں وہ سبق جو ساری کوششوں کا خوزر اور ساری امیدوں کا مظہر تھی وہ بھی ان سے رخصت ہوتی ہے، اس کا طبعی تیجہ یہ تھا کہ صحابہ کرام کی ایک بھاری جماعت سرا بھی ہو کر میدان جنگ سے ہٹنے والی پر میدان چہاد سے ہٹ جانا اگرچہ ہنگامی اور سرسری اور وقت سرا بھی کافی تھا، خدا رخصت اسلام سے پھر جانے کا کوئی شبہ یا اوس سہ بھی نہ تھا، لیکن حق تعالیٰ تو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو ایک ایسی پاکیز فرشتہ خصلت جماعت بنانا چاہتا ہے جو دنیا کے لئے نہوںہ عمل بنے، اس لئے ان کی اونی اخزش بھی سخت قرار دی گئی ہے

نzd دیکاں را بیش بود حیدر ای

ان کے لئے میدان جنگ چھوڑنے پر ایسا خطاب کیا گیا جیسے اسلام چھوڑنے پر کیا جاتا ہے، اور سخت عتاب کے ساتھ اس غیادی مستلم پر تنبیہ کی گئی کہ دین عبادت اللہ کے لئے اور جہاد اسی کے لئے ہیں، جو ہمیشہ زندہ اور قائم ہے، اگر بالفرض یہ خرچ صحی ہوئی کہ آئنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفات ہو گئی تو بہر حال یہ تو ایک دن ہونا ہی ہے، اس پر ہمہ بار بیٹھنا اور دین کا کام چھوڑ دینا ان حضرات کے شایان شان نہیں۔ اس لئے ارشاد فرمایا:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ^{۱۷} الْأَيَّةُ يُعَنِّ مُحَمَّدٌ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک رسول ہی تو ہیں اس اتوہیں، آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، اگر آپ کی رفات ہو جائے ۱۸ کو شہید کر دیا جائے تو کیا تم توگ ائٹھے پاؤں پھر جاؤ گے، اور جو کوئی اٹھے پاؤں پھر جائے بھی اتنی ہی اہم تھی کہ کہیں مسلمان اس مرض کا شکار نہ ہو جائیں جس میں نصاری اور

رہ اللہ کا کچھ نہیں بجاڑے گا، اور اللہ تعالیٰ تواب فی گام شکر گزاروں کو۔ اس میں تنبیہ فرمادی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک نہ ایک دن اس دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں، آپ کے بعد بھی مسلمانوں کو دین پر ثابت قدم رہنا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس عارضی مشکلت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مجرم وحش اور دفاتر کی خبر مشہور ہونے میں یہ قدرتی راز تھا کہ آپ کے بعد جو حالات صحابہ کرام پر پیش آئیں تھے وہ آپ کی دنیوی حیات ہی میں ظاہر کر دیئے گئے، تاکہ ان میں جو لغزش ہو اس کی اصلاح خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ہو جائے، اور آئندہ جب یہ واقعہ دفاتر پر پیش آئے تو یہ عثافت رسول از جارفہ نہ ہو جائیں، چنانچہ یہی ہوا آپ کی دفاتر کے وقت جب بڑے صحابہ کرام کے ہوش دعواں بجا دئے تھے، تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی قسم کی آیات قرآنیہ کی سند لے کر ان کو بھایا، اور وہ سب سنبھل گئے۔

اس کے بعد دوسری آیت میں بھی حوارث اور معاشر کے وقت ثابت قدم رہنے کی تعلم دینے کے لئے یہ ارشاد فرمایا کہ ہر انسان کی موت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی ہوئی ہے، اس کی تاریخ دن اور وقت معین ہے، نہ اس سے پہلے کسی کو موت آئندی ہے نہ اس کے بعد وہ زندہ رہ سکتا ہے، پھر کسی کی موت سے ایسے سرایمہ ہو جانے کے کوئی معنی نہیں۔

آخر میں اس پر تنبیہ فرمائی کہ اس عارڈ کے ظاہری انساب میں ایک بدبی بھی تھا کہ جن حضرات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عقب کی جانب پہاڑی پنگراں بنایا تھا، ابتدائی فتح کے وقت عام مسلمانوں کو مال غیمت جمع کرنے میں مشغول دیکھ کر ان میں بھی چند حضرات کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ اب تو فتح ہو گئی، اس جگہ شہر نے کی ضرورت نہ ہی، پھر تم بھی مال غیمت جمع کرنے میں کیوں حصہ نہ لیں؟ وہ اپنی جگہ سے بہت گئے، اس لئے فرمایا:

وَمَنْ يَرِدُ تُوَابَ الدِّينِيَا فَوَيْهُ وَمَنْ يَرِدُ تُوَابَ الْآخِرَةِ فَمُؤْمِنٌ هُوَ
وَمَنْ يَرِدُ تُوَابَ الدِّينِيَا فَهُنَّا وَمَنْ يَرِدُ تُوَابَ الْآخِرَةِ فَمُؤْمِنٌ هُوَ
وَمَنْ تَجْزِي الصَّابِرِينَ هُوَ يُعْنِي جو شخص اپنے عمل سے دنیا کا بدلا چاہتا ہے ہم اس کو دنیا میں کچھ حصہ دیتے ہیں، اور جو آخرت کا ثواب چاہتا ہے تو اس کو آخرت کا ثواب ملتا ہے، اور ہم غرقیب شکر گزاروں کو بدلا دیں گے۔

اس میں اشارہ فرمایا کہ مال غیمت جمع کرنے کی نظر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم منے مقرر کردہ کام کو چھوڑ بیٹھنے میں ان سے غلبی ہوئی، یاد رہے کہ حقیقت کے اعتبار سے مال

غیر ملکیت جمع کرنا بھی نہیں جو شرعاً ملزم ہے، بلکہ مال غیمت جمع کر کے محفوظ رکنا اور پھر اس کو اس کے مصروف میں صرف کرتا یہ بھی ایک جزو چہارہ، اور عبادت ہی ہے، ان حضرات صحابہ کا اس میں شریک ہونا صرف طبع دنیوی کی وجہ سے نہ تھا، کیونکہ شرعی ضابطے سے اگر وہ اس مال کے جمع کرنے میں شرکت ہوتے جب بھی ان کو مال غیمت میں وہ حصہ ملتا جو اب ملا، اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان حضرات نے طبع دنیا کے لئے اپنے مقام کو چھوڑا، لیکن جیسا کہ پہلی آیت کی تفسیر میں بتایا گیا ہے کہ بڑوں کی تھوڑی لغوش بھی بڑی بھی جاتی ہے، ان کے محول جرم کو بڑا سخت جرم قرار دے کر عتاب و خطاب کیا جاتا ہے، وہی یہاں بھی ہے کہ مال غیمت جمع کرنے میں کچھ نہ کچھ دنیوی منفرد کا تعلق ضرور تھا، اور اس تعلق کا طبع اثر قلوب میں ہونا بھی مستبعد نہ تھا، صحابہ کرام کے معیار اخلاق کو بلند سے بلند کرنے کے لئے ان کے اس عمل کو بھی ارادہ دنیا سے تعبیر کر دیا کہ طبع دنیا کا ادنی غبار بھی ان کے قلوب تک نہ جاسکے۔

وَكَانَ مِنْ ذِيَّ قِيلَّا مَعَهُ رِتَبَيْوْنَ كِثِيرُهُ فَهَا وَهَنُوا إِلَيْهَا
تعلیم دینے کے لئے یہ ارشاد فرمایا کہ ہر انسان کی موت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی ہوئی ہے، اور بہت بھی میں جن کے ساتھ ہو کر فڑیے ہیں بہت خدا کے طالب پھر نہ ہائے ہیں کچھ
أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا أَضَعُفُوا وَمَا أَسْتَكَانُوا وَاللَّهُ
کلیفت پہنچنے سے اللہ کی راہ میں اور نہ سست ہوئے ہیں اور نہ دب گئے ہیں اور اس تعلیم
يَعِيشُ الصَّابِرِينَ ۝ وَمَا كَانَ قُولُهُمُ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا
بہت کرتا ہے ثابت قدم رہنے والوں سے اور کچھ نہیں بوئے تھے ہیں کہاںے رب ہائے
أَعْفُرُ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرَنَا وَتَذَكَّرُ أَقْدَامَنَا
بخش ہارے ہناء اور جو ہم سے زیادت ہوئی ہمارے کام میں اور ثابت رکھ قدم ہائے
وَالصَّابِرُونَ عَلَى الْقَوْمِ الْكُفَّارِينَ ۝ قَاتَلُهُمُ اللَّهُ تُوَابَ
اور مردیے ہم کو قوم کفار پر پھر دیا اللہ نے ان کو تواب
اللَّهُ نِيَا وَخَسْنَ تُوَابَ الْآخِرَةِ طَوَّا اللَّهُ يَعِيشُ الْمُحْسِنِينَ ۝
ذباکار اور خوب تواب آخرت کا اور اس سمجھت رکھتا ہے نیک کام کرنے والوں سے
رَبِّا آیات ساتھی کیا میں غرور احمد میں پیش آئے والی بعض کوتا ہیوں پر مسلمانوں کو
تنبیہ اور ملامت تھی، ان آیات میں بھی اس کا کمکمل بھل امتوں کے بعض حالا